# سورۃ آل عمران (آیت155-156)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۵۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾﴾

''جو لوگ تم میں سے (اُحد کے دن) جب کہ (مؤمنوں اور کافروں کی) دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں (جنگ سے) بھاگ گئے تو اُن کے بعض افعال کے سبب شیطان نے اُن کو پھسلا دیا' مگر اللہ نے اُن کا قصور معاف کر دیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا (اور) بردبار ہے۔ مومنو! اُن لوگوں جیسے نہ ہونا جو کفر کرتے ہیں اور اُن کے (مسلمان) بھائی جب (خدا کی راہ میں) سفر کریں (اور مر جائیں) یا جہاد کو نکلیں (اور مارے جائیں) تو اُن کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ ان باتوں سے مقصود یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں کے دلوں میں افسوس پیدا کر دے' اور زندگی اور موت تو اللہ ہی دیتا ہے' اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔''

غزوۂ احد میں جب درّے کے راستے سے لشکر کفار نے اچانک حملہ کر دیا تو مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس افراتفری میں کچھ لوگ تو کوہ احد پر چڑھ گئے اور کچھ ذرا آگے نکل کر میدان ہی چھوڑ گئے۔ ان افراد میں حضرت عثمان ؓ کا نام بھی آتا ہے' مگر یہ اضطراری کیفیت تھی۔ ایسے موقعہ پر کسی ضعف یا کمزوری کا اظہار عین قرین قیاس ہے۔ دیکھیے رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر حضرت عمر ؓ تلوار چھوڑ کر بیٹھ گئے تو حضرت عثمان ؓ کا درجہ تو بہر حال اُن سے نیچے ہے۔ اگر ان سے اس طرح کی بات ہو گئی ہو تو خارج از امکان نہیں۔

بے شک وہ لوگ جو میدان سے بھاگ کر چلے گئے جس دن دو فوجیں آپس میں ٹکرائیں' اصل میں شیطان نے اُن کے پاؤں پھسلا دیئے اُن کے بعض افعال کی بدولت۔ یعنی کسی وقت اُن سے کوئی قصور ہو گیا۔ تو ایسا ہونا ہر ایک سے ممکن ہے۔ معصوم تو صرف نبی ہوتے ہیں۔ پس کسی شخص کی کسی کوتاہی کے باعث شیطان کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ اس کے راستے کی رکاوٹ بن جائے' خواہ وہ شخص کتنا ہی صاحب علم و عرفان اور بلند مرتبے کا حامل ہو۔ میدانِ جنگ سے چلے جانے والے ان چند لوگوں کی تقصیر کا ذکر کرنے کے بعد معاملہ یہ کہہ کر صاف کر دیا گیا کہ اللہ ان کو معاف کر چکا۔

اہل تشیع اس بات کو خاص طور پر حضرت عثمان ؓ کی مخالفت میں خوب اچھالتے ہیں کہ وہ میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے' مگر وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو اُن کی معافی کا بھی اعلان کر دیا ہے' چاہے وہ حضرت عثمان تھے یا اور لوگ تھے۔ پس اب کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ ان پر اس سلسلے میں زبانِ طعن دراز کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور حلم والا ہے۔

اے اہل ایمان تم اُن لوگوں کی مانند نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا اور اپنے اُن بھائیوں کے متعلق جو کسی جہاد میں نکلے اور وہاں اُن کا انتقال ہو گیا کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے۔ مگر اُن کی یہ بات صحیح نہیں کیونکہ ہر شخص کی موت کا وقت تو مقرر ہے' وہ ایک لحظہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اگر چہ وہ تمہاری گود میں ہوتے یا مضبوط قلعوں میں بند ہوتے' موت تو اُن کو ہر حال میں آنی ہی تھی۔ اس طرح کی باتیں کرنا درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لَـــوْ کے لفظ سے شیطان کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی ایسا کہنا فضول ہے کہ کاش ایسا ہو جاتا! کیونکہ جو ہوا ہے وہ ہونا ہی تھا' اُس کے خلاف ہر گز نہیں ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو ہر کام کی حکمت معلوم ہے۔ اُس کے سوا کاموں کی حکمت کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ جواب اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں تو دراصل اس چیز کا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں میں حسرت کی آگ جلا دیتا ہے اور یوں سمجھئے کہ یہ بھی گویا اُن کے کفر کی سزا ہے۔ اور دیکھو اللہ تعالیٰ ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اُسے اللہ دیکھ رہا ہے۔

فرمانِ نبویؐ

# گناہ کی دو نشانیاں

چودھری رحمت اللہ بٹر

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ؟ فَقَالَ : ((**اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِی الصَّدْرِ وَكَرِهْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْهِ النَّاسُ**)) (رواہ مسلم)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ''نیکی اور گناہ'' کا مفہوم دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نیکی' اچھے اخلاق کو کہتے ہیں اور ''گناہ'' یہ ہے کہ اس سے تیرے ضمیر میں چبھن اور خلش پیدا ہو اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا تجھے ناگوار ہو۔''

نیکی یہ ہے کہ آدمی ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آئے' گفتگو میں سنجیدگی اور وقار کو ملحوظ رکھے' ہمیشہ سچی اور کھری بات کہے' غصے پر قابو پائے' ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہے۔ وہ شخص قطعاً نیک نہیں ہے جس کے اخلاق اچھے نہ ہوں اور کردار مشکوک ہو۔

گناہ کی حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے حضور ﷺ نے دو بڑی نشانیاں بیان فرما دی ہیں: پہلی نشانی یہ ہے کہ اس سے دل میں اطمینان نہ ہو بلکہ اس کے کرنے سے کھٹک پیدا ہو' ضمیر چبھن محسوس کرے۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ اسے علانیہ کر گزرنے کی جرأت نہ ہو اور چاہا جائے کہ یہ بات عام لوگوں کے علم میں نہ آئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاخلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر


قیام خلافت کا نقیب

# ندائے خلافت

| شمارہ | | جلد |
|---|---|---|
| شمارہ | 27 جنوری تا 2 فروری 2005ء | جلد |
| 3 | 16 تا 22 ذی الحجہ 1425ھ | 14 |

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید



**مجلس ادارت**
سید قاسم محمود ـ ڈاکٹر عبدالخالق
مرزا ایوب بیگ ـ سردار اعوان ـ محمد یونس جنجوعہ
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین



پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور



مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون: 03-5869501



قیمت فی شمارہ: 5 روپے
**سالانہ زرِ تعاون**
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
چیک' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں


☆.☆.☆


''ادارہ'' کا مضمون نگار کی رائے سے
متفق ہونا ضروری نہیں


ادار یہ

## بگلیہار ڈیم: جگ ہنسائی

آج کی تازہ خبر: ''پاکستان نے بگلیہار کے تنازعے پر عالمی بنک سے رجوع کرنے کے بعد عالمی عدالت انصاف جانے کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ اس ضمن میں اٹارنی جنرل' وزارتِ خارجہ اور وزارتِ پانی و بجلی کی باہمی مشورت سے ملکی و غیر ملکی ماہرین قانون کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔ یہ تنازعہ عالمی عدالت انصاف میں رجوع کرنے کے لئے کم از کم دس لاکھ ڈالر کی ضرورت ہوگی''۔ (روزنامہ ''نوائے وقت۔ 24 جنوری 2005ء)

یوں تو یہ تنازعہ پانچ سال سے' جب سے کہ بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں دریائے چناب پر بگلیہار ڈیم بنانا شروع کیا ہے' جاری ہے اور معاملہ سلسلۂ خط و کتابت سے آگے نہ بڑھ سکا تھا' لیکن نومبر 2004ء میں یہ تنازعہ ''جامع مذاکرات'' کی میز پر آیا تو اصل حقیقت عوام کے سامنے آ گئی۔ تب پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف کے زیر صدارت ایک اعلیٰ سطحی اجلاس (18 نومبر) میں بھارت کو متنازعہ ڈیم کی تعمیر سے روکنے کیلئے تمام ممکنہ سفارتی اور قانونی طریقے استعمال کرنے پر اتفاق کیا گیا''۔ جس پر ''ندائے خلافت'' کے شمارہ بابت 25 نومبر میں ادارتی اظہار خیال کیا گیا۔

پاک بھارت جامع مذاکرات شروع ہونے والے تھے کہ حکومت پاکستان نے مذاکراتی عمل کو ڈیم پر کام بند کرنے سے مشروط کر دیا۔ بھارت نے یہ شرط قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حکومت پاکستان نے بھارتی طرز عمل سے عالمی برادری کو آگاہ کیا جنوری کے پہلے ہفتے میں پاک بھارت سیکرٹری سطح کے ''غیر مشروط'' مذاکرات ہوئے' جو بے نتیجہ ثابت ہوئے' کیونکہ بھارت ڈیم کا ڈیزائن بدلنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اصل اختلاف ڈیم کی بلندی پر ہے۔ پاکستان کے مطابق یہ ڈیم منگلا ڈیم کے برابر ہے۔ بھارت کا کہنا ہے کہ بگلیہار ڈیم ریاست مقبوضہ کشمیر کا ہے۔ ریاستی حکومت نے اس منصوبے پر مالی اداروں سے سترہ ارب روپے بطور امداد حاصل کرنے کے لئے مفاہمت کی یادداشتوں پر دستخط کر رکھے ہیں' جبکہ اس منصوبے پر پہلے ہی سولہ ارب 40 کروڑ روپے خرچ ہو چکے ہیں' اور مزید 6 ارب 32 کروڑ عنقریب بھارتی حکومت ریاستی حکومت کو دینے والی ہے۔ ایسی صورت حال میں ڈیزائن کی تبدیلی ناممکن ہے۔ گویا بھارت نے کہے بغیر پاکستان سے کہہ دیا کہ عالمی بنک جانا چاہتے ہو تو شوق سے جاؤ۔ ہمیں جو کچھ کرنا تھا' وہ ہم نے کر لیا ہے۔

مذاکرات کے ناکام ہونے کی خبر 7 جنوری کو آئی اور 9 جنوری کو ''آن لائن'' سے یہ خبر جاری ہوئی کہ بھارتی فوج کے اعلیٰ تربیت یافتہ خصوصی دستے بگلیہار ڈیم کی حفاظت کے لئے مقبوضہ کشمیر پہنچ گئے ہیں۔ بھارتی فوج نے مجاہدین کی جانب سے حملے کے پیش نظر اسرائیل اور امریکا سے تربیت یافتہ خصوصی فوجی دستوں کو بگلیہار ڈیم پر تعینات کر دیا ہے۔ خبر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسرائیل اور امریکا سے تربیت پانے والے بھارتی فوج کے کمانڈوز کو جموں کے فضائی اڈے کی مدد بھی حاصل ہے اور بھارتی فضائیہ کے طیاروں کا ایک پورا اسکوڈرن ڈیم کی حفاظت کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔

بھارت کی طرف سے ڈیم کی جلد از جلد تکمیل کے لئے تو اقتصادی اور فوجی تیاریوں کا یہ حال تھا' اُدھر حکومت پاکستان کی سست گامی کا یہ عالم کہ 20 جنوری کے اخبارات میں' اہل پاکستان نے' جبکہ وہ عیدالاضحیٰ کی تیاری کر رہے تھے' عالمی بنک کی طرف سے جاری کردہ یہ بیان افسوس اور غصے کے ساتھ پڑھا کہ ''عالمی بنک کو پاکستان کی طرف سے سندھ طاس معاہدے کے تحت ایک درخواست موصول ہوئی ہے جس میں ''غیر جانب دار ماہر'' مقرر کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ عالمی بنک اس درخواست کا جائزہ لے گا اور معاہدے کے مقررہ ضابطہ کار پر عمل کرے گا۔ عالمی بنک سندھ طاس معاہدے کا ضامن ہے نہ ثالث ہے۔ البتہ غیر جانب دار ماہر کی تقرری کر سکتا ہے' جس کا فیصلہ حتمی ہوگا''۔

عالمی بنک کا یہ بیان جاری ہونے کے فوراً بعد 21 جنوری کو بھارت کے سرکاری ذرائع ابلاغ ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے تشہیر کی کہ بھارت پاکستان کے اعتراضات' احتجاج اور قانونی موشگافیوں کے باوجود بگلیہار ڈیم کی تعمیر مکمل کرے گا۔ یہ ڈیم سندھ طاس معاہدے کے عین مطابق ہے۔ ڈیم کی تعمیر بھارت کا حق ہے۔ اس سے پیدا ہونے والی بجلی مقبوضہ کشمیر میں استعمال کی جائے گی۔ پاکستان کے اعتراضات فنی نوعیت کے نہیں' بلکہ سیاسی ہیں۔

آج 24 جنوری کو خبر آئی ہے کہ پاکستان نے عالمی عدالت انصاف سے رجوع کرنے کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ کیوں؟ عالمی بنک کا فیصلہ آنے سے پہلے ہی؟ کیا ہماری حکومت کو غیر جانب دار مبصر اور اُس کے حتمی فیصلے کی شرط سے سر ریڈکلف یاد آ گیا؟ وہ بھی غیر جانب دار مبصر تھا۔ سوال یہ ہے کہ اگر عالمی بنک یا بعد ازاں عالمی عدالت کا فیصلہ بھارت کے خلاف ہوا تو کیا وہ ڈیم ڈھا دے گا یا تعمیر روک دے گا؟ پوری اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سیکورٹی کونسل آج تک بھارت سے کشمیریوں کو حق خود ارادیت دلوا نہ سکی' کوئی چھوٹا عالمی ادارہ معمولی ڈیم کی تعمیر کیونکر رکوا سکتا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ ''ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات'' کے مطابق ہم جرم ضعیفی کی سزا بھگت رہے ہیں اور اقوام عالم

(باقی صفحہ 13 پر)

# عالم اسلام کی خبریں

## امۃ مسلمہ کے نام خطبۂ حج

9 اور 10 ذی الحج کو دنیا بھر سے آئے ہوئے بیس لاکھ سے زیادہ فرزندانِ اسلام نے فریضۂ حج کی سعادت حاصل کی۔ اس مبارک موقع پر میدانِ عرفات میں مسجد نمرہ میں سعودی عرب کے مفتیٔ اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ نے خطبۂ حج دیا جو پوری دنیا میں ٹیلی کاسٹ کیا گیا۔ آپ نے مسلمانانِ عالم کو خبردار کیا ہے کہ پوری دنیا میں دشمن طاقتیں مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے متحد ہو چکی ہیں۔ مسلمانوں کو اپنی صلاحیتوں کے ادراک و شعور سے اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اسلام واحد نظام ہے جو انسان کو جبر اور ظلم کے ماحول سے نکال سکتا ہے۔ دنیا میں انسانی حقوق کے نام پر جو غلغلہ اور نعرہ بازی کی جاتی ہے' وہ محض لوگوں کو گمراہ کرنے اور انہیں راہِ حق سے ہٹانے کی کوشش ہے۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ مختلف اطراف سے امتِ مسلمہ پر ٹی وی چینلوں سے حملہ کر دیا گیا ہے۔ علماء کرام کو اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ انہوں نے دنیا بھر کے مسلمانوں پر باہمی اتحاد' اخوت اور عدل و انصاف کے قیام پر زور دیتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں پر نہ صرف دوسرے مسلمانوں کا خون اور جان و مال' بلکہ کسی بے گناہ اور غیر مسلموں کی عزت اور جان و مال بھی حرام ہے۔ انہوں نے علماء پر امتِ مسلمہ کے مفادات کے تحفظ کے لئے باعمل ہونے اور مذہبی' لسانی و فرقہ وارانہ اختلافات سے اجتناب کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ عمل ہی امۃ کی عظمتِ پارینہ کو بحال کر سکتا ہے۔

مسجد نمرہ کے امام نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہمیں دین و دنیا کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا اور دنیا کی اصلاح کرنا ہوگی۔ انہوں نے مسلمانوں پر حصولِ علم کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ علم کو اہمیت نہ دینے والی قومیں برباد ہو جاتی ہیں۔ علم دین اسلام کا اہم جز ہے۔ ہمیں سیاسیات' معاشیات' زراعت اور دوسرے علوم پر بھی دسترس حاصل کرنا ہوگی' اور دوسری اقوام کی اچھائیوں کو اختیار کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی ترقی کا راز قرآن و سنت کی پیروی میں پوشیدہ ہے۔

## مُلاّ محمد عمر کا تازہ پیغام

طالبان کے سپریم کمانڈر مُلاّ محمد عمر نے ان اطلاعات کی تردید کی ہے کہ ان کی تنظیم کے ارکان ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر "طالبان" کے ترجمان مُلاّ عبداللطیف حکیمی کی جانب سے صحافیوں کو بذریعہ فیکس ایک پیغام میں ملا محمد عمر نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کو یقینی بنانے کے لئے جہاد ہی واحد راستہ ہے اور ان کی امریکی حمایت یافتہ کرزئی حکومت میں بات چیت کی اطلاعات غلط اور بے بنیاد ہیں۔ پیغام میں کہا گیا ہے ہم جارح فوجوں اور ان کی کٹھ پتلی حکومت پر یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ طالبان ملک میں کسی ایک جارح فوجی کی موجودگی تک کسی قسم کی بات چیت کے لئے تیار نہیں۔

## ایران کو امریکا کی دھمکی

حکومت امریکہ نے اپنے ایک تازہ اعلان کے ذریعے ایران کو خبردار کیا ہے کہ اگر اس نے اپنے ایٹمی مراکز بین الاقوامی ایٹمی ایجنسی کے اہلکاروں کے معائنے کے لئے نہ کھولے تو امریکہ ایران پر حملہ کر سکتا ہے۔ اس اعلان پر ایران کے ترجمان نے ایک بیان میں کہا ہے کہ امریکہ کی طرف سے حملے کی باتیں کوئی نئی چیز نہیں' کیونکہ امریکہ نے ایران کے خلاف نفسیاتی جنگ دیر سے شروع کر رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایران ایک طاقتور ملک ہے اور اپنے دفاع کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہم کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے اور نہ ہمارے خیال میں حملے کا کوئی امکان ہے۔ اگر امریکہ حملہ کرے گا تو یہ اس کی سنگین اور فاش غلطی ہوگی۔

اسلامی سربراہ کانفرنس کی تنظیم کے موجودہ صدر ملائیشیا نے امریکہ کو خبردار کیا ہے کہ ایران پر حملہ عالمِ اسلام کے لئے انتہائی تشویش کا باعث ہوگا۔ صدر ملائیشیا کے نائب وزیر اعظم و وزیر دفاع نجیب رزاق نے ایران کے خلاف طاقت استعمال کرنے کے حوالے سے امریکی صدر جارج بش کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ کو ایران کے ایٹمی اسلحہ بنانے کے پروگرام کے بارے میں ناقابلِ تردید ثبوت پیش کرنا ہوں گے تاکہ اس غلطی سے بچا جا سکے جو امریکہ نے عراق میں کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ عراق کے بعد ایک اور مسلم ملک پر حملہ عالمِ اسلام اور دنیا کے لئے زبردست تشویش کا باعث ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ کسی بھی ملک کا اقتدارِ اعلیٰ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا ہوگا کہ ایسی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت بین الاقوامی قوانین موجود ہیں۔

## سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ

ایران کے رہنما آیت اللہ علی خامنہ ای نے عیدالاضحیٰ پر مسلمانانِ عالم کو پیغام دیتے ہوئے گستاخِ رسول ﷺ سلمان رشدی کے خلاف قتل کے فتوے کی تجدید کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رشدی ایک منافق ہے جس کی ہلاکت کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ انہوں نے مغربی اور صیہونی سرمایہ داروں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ تمام مذاہب کے احترام کی بات کرتے ہیں' لیکن وہ رشدی جیسے واجب القتل ملعون کی حمایت کرتے ہیں۔ یاد رہے' جدید ایران کے رہنما آیت اللہ خمینی مرحوم نے رسولِ کریم کی شان میں گستاخی کرنے پر سلمان رشدی کو قتل کرنے کا فتویٰ جاری کیا تھا جو ابھی تک قائم ہے۔

## فلسطین کی جہادی تنظیمیں

فلسطین میں مسلح افراد مزاحمت کرنے والے ایک گروپ "الاقصیٰ شہدا بریگیڈ" نے اعلان کیا ہے کہ اگر اسرائیل حملے نہ کرنے پر متفق ہوتا ہے تو وہ بھی اسرائیل سے جنگ نہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ اگر مفاہمت دوطرفہ ہوتی ہے تو وہ بھی مفاہمت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ یاسر عرفات کا جانشین منتخب ہونے کے بعد فلسطینی رہنما محمود عباس یہ کوشش کر رہے ہیں کہ فلسطینی انتہاپسندوں کو اسرائیل پر حملہ نہ کرنے پر آمادہ کر لیں' اگرچہ خود محمود عباس بھی مسلح جدوجہد پر یقین رکھنے والے فلسطینیوں کے ایک مضبوط گروپ "الفتح" سے تعلق رکھتے ہیں' اور الفتح نے بھی مطالبہ کیا ہے کہ اسرائیل فلسطینی قیدیوں کو غیر مشروط رہا کرے' اسرائیلی فوجی حملے بند کریں اور فلسطینی علاقوں سے اسرائیلی فوج نکل جائے۔ اس کے برعکس اسرائیل نے دعویٰ کیا ہے کہ فلسطین کے صدر محمود عباس نے حماس تنظیم اور اسلامک جہاد کو تیس دن کی جنگ بندی پر رضامند کر لیا ہے۔ فلسطین کی جہادی تنظیموں نے اسرائیل کے ساتھ جنگ بندی کی خبروں کی سخت تردید کی ہے اور کہا ہے کہ اگر اسرائیل پہلے فلسطینیوں کے خلاف حملوں کا سلسلہ بند کرے تو جنگ بندی پر غور کیا جا سکتا ہے۔

## عراق میں "بروقت" انتخابات

امریکی صدر جارج ڈبلیو بش اور عراقی صدر غازی الیاور نے باہمی ملاقات (16 جنوری) میں عراق میں 30 جنوری کو ہونے والے انتخابات کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا۔ وائٹ ہاؤس کے ترجمان نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ دونوں رہنماؤں نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ عراق میں "بروقت" انتخابات کا انعقاد ہر قیمت پر یقینی بنایا جائے گا جبکہ جوں جوں 30 جنوری کا یومِ انتخاب قریب آ رہا ہے' عراق میں امن و امان کی صورت حال خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔

## القاعدہ مجاہدین کی نئی نسل

امریکہ کے خفیہ ادارے سی آئی اے نے کہا ہے کہ افغانستان کے بعد اب عراق دہشت گردوں کی تربیت گاہ بن چکا ہے۔ القاعدہ "دہشت گردوں" کی نئی نسل انتہائی تجربہ کار اور خطرناک ہوگی جو پوری دنیا میں پھیل سکتی ہے۔ اس وبا کو روکنے کے لئے سخت سیاسی' سفارتی اور عسکری اقدامات کرنے ہوں گے۔

# عربی خطبہ جمعہ: خطبہ ثانی کا مفہوم

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید صاحب کے 7 جنوری 2005ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

گزشتہ خطاب جمعہ کے دوران میں نے ان آیات مبارکہ کی تشریح کی تھی جو عام طور پر پہلے خطبہ کے آخر میں تلاوت کی جاتی ہیں۔ اس حوالے سے سورۃ المومن کی 60 ویں اور سورۃ الحدید کی 25 ویں آیت پر تفصیل سے گفتگو کی گئی۔ ابوداؤد کی ایک روایت کے مطابق آنحضورﷺ اکثر اوقات خطبہ جمعہ میں سورۃ ق پڑھا کرتے تھے اور اس کے حوالے سے تذکیر و موعظت فرمایا کرتے تھے۔ اس سورت کا اصل مضمون توحید، رسالت اور آخرت کے حوالے سے تذکیر ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو ہم خطبہ جمعہ کا ترجمہ و تشریح مکمل کرنے کے بعد انہی اجتماعات جمعہ میں سورۃ ق کا سبقاً سبقاً مطالعہ کریں گے۔ اب ہم آگے بڑھتے ہیں اور پہلے خطبے کے آخر میں جو دعا ہوتی ہے اس کا ترجمہ دیکھتے ہیں۔

☆ بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ: ''اللہ تعالیٰ اس قرآن عظیم کے حوالے سے میرے لئے اور آپ سب کے لئے برکت پیدا فرمائے!'' خطبے میں جو آیات ہم نے سنی ہیں اور تذکیر و موعظت حاصل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اس میں ہم سب کے لئے برکت پیدا فرمائے اور اسے ہمارے لئے خیر کا ذریعہ بنا دے۔

☆ وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ: ''اور یہ آیات اور حکیمانہ ذکر میرے لئے بھی اور آپ سب کے لئے بھی نفع بخش ہو''۔ یعنی اب ہم ان آیات سے فائدہ اٹھائیں اور اسے اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں تاکہ یہ ہمارے لئے سود مند ثابت ہوں۔ اس کے لئے بھی اللہ سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں اس کی توفیق دے۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، جو الحکیم ہے یعنی انتہائی حکمت والا! دنیاوی سطح پر بھی بہت سے لوگوں کو حکیم، دانا اور صاحب فراست کہا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور کسی بڑے سے بڑے عالم یا دانشور کی سمجھ بوجھ کا کوئی موازنہ اور تقابل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم اپنی زندگی میں لوگوں کے اقوال اور فلسفہ حیات پر عمل کرتے ہیں تو یہ اصل میں خود ہماری محرومی ہے۔ قرآن کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے منبع سے حکمت اور دانائی اخذ کرنے کی کوشش کرنا ہماری اپنی کم نصیبی ہے۔

☆ اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ انتہائی جود و سخا والا، کرم فرمانے والا، بادشاہ، محسن، مہربان، رحم فرمانے والا ہے''۔ اللہ تعالیٰ ایسا سخی ہے کہ جو مانگنے سے خوش ہوتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی ہستی ایسی نہیں کہ اس سے مانگا جائے اور وہ اس پر راضی ہو۔ ذات باری تعالیٰ انتہائی کرم فرمانے والی ہے۔ وہ کون و مکان اور ارض و سماوات کا بادشاہ حقیقی ہے۔ جو اس کے وفادار ہیں وہ ان کی توقعات پر پورا اترنے والا اور انہیں پورا پورا صلہ دینے والا ہے۔ اس پر توکل کرنے والوں کا وہ مولا اور محافظ ہے۔ رافت اور رحمت کے الفاظ اصل میں اکٹھے آتے ہیں۔ رافت سے مراد کسی کے دکھ درد کو محسوس کرنا ہے جبکہ رحمت یہ ہے کہ کسی کی تکلیف محسوس کر کے اس کے ازالے کے لئے کوشش کی جائے۔ اس مفہوم کے حوالے سے اللہ تعالیٰ رؤف بھی ہے اور رحیم بھی!

پہلا خطبہ ان الفاظ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خطیب کچھ دیر کے لئے بیٹھتا ہے۔ بعض احادیث کی رو سے دونوں خطبوں کے درمیان یہ چند لحات دعا کی قبولیت کے حوالے سے نہایت معتبر ہیں۔ لہٰذا اس وقفے کے دوران اپنے اپنے طور پر دعا کرنی چاہئے۔ دوسرے خطبے کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

☆ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى: ''کل تعریف و ثنا اور شکر و سپاس اللہ کے لئے ہے اور وہ (اپنے بندوں کی حاجات کے لئے) کافی ہے''۔ ہمارا وجود اللہ تعالیٰ ہی کی عطا ہے۔ ہماری مادی اور روحانی ضروریات کا پورا کرنے والا بھی وہی ہے۔ لہٰذا اگر ہم ہر لحظہ اس کا شکر ادا کریں تو بھی حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سننے ان کی مشکل کشائی کرنے اور ان کی حاجت روائی کے اعتبار سے اسی کی ذات کافی ہے۔ یہ مضمون سورۃ الزمر کی 36 ویں آیت کے آغاز میں بھی بڑے پیارے انداز میں آیا ہے۔ آنحضورﷺ کو تسلی دی گئی کہ ''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے!'' یعنی اگرچہ حالات انتہائی ناموافق ہیں اور سرداران قریش آپؐ کی جان کے دشمن ہو چکے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر اللہ آپ کی پشت پر ہے تو کس بات کا ڈر ہے! اگر دنیا کے تمام طاقتور طبقات اور وقت کے فرعون کسی انسان کے مخالف ہو جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ان سب سے مقابلے کے لئے کافی ہے لیکن اس کی ایک شرط ہے جو قرآن خود بیان کرتا ہے کہ انسان بھی اللہ کا وفادار بنے اور صرف اسی پر ایمان رکھے، اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے اور اسی پر توکل کرے۔ دو طرفہ رشتہ ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی انسان کو حالات کے حوالے کر دیتا ہے۔ پھر ایسا انسان اللہ کی حفاظت سے محروم ہو جاتا ہے۔

☆ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى: ''اور درود و سلام ان بندوں پر جنہیں اس (اللہ) نے خود چن لیا''۔ اس سے مراد تمام انبیاء کرام ہیں۔ انہیں اللہ نے ایک بڑے عظیم مقصد کے لئے چنا۔ وہ سب اللہ کے بندے ہیں اور اسی نے انہیں یہ مقام دیا ہے۔ لہٰذا ان کے لئے سلامتی کی دعا ہے۔

☆ اَمَّا بَعْدُ: ''اس کے بعد''۔ خطاب کے اندر جب ایک مضمون سے آگے دوسرا مضمون شروع ہوتا ہے تو یہ کلمہ ادا کیا جاتا ہے۔

☆ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: قرآن مجید کی آیات کی تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا واجب کے درجے میں ہے اس لئے کہ اس کا حکم خود قرآن مجید میں ہے۔ سورۃ النحل کی آیت 98 میں فرمایا گیا: ''جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں آ جایا کرو''۔ شیطان کی دوسوسہ اندازی سے حفاظت کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ جس ہستی کے تابع وہ ہے اس کی مدد حاصل کی جائے۔ پھر شیطان حملہ آور نہیں ہو سکتا۔ بصورت دیگر اسے پورا اختیار ہے اور وہ انسان کو گمراہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ چنانچہ قرآنی حکم کے تحت تعوذ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پھر چونکہ ہر اچھے کام کی ابتدا بسم اللہ سے ہونی چاہئے اس لئے آیات قرآنی کی تلاوت کے آغاز میں بھی بسم اللہ پڑھی جاتی ہے۔

اس کے بعد یہاں خطبہ جمعہ میں بالعموم سورۃ الاحزاب کی 56 ویں آیت تلاوت کی جاتی ہے:

☆ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر رحمتیں بھیجتے ہیں، اے ایمان

والو! تم بھی ان پر رحمت بھیجا کرو اور سلام بھیجا کرو جیسے کہ سلام بھیجا جاتا ہے"۔ اس آیت میں ذکر ہے نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا۔ اللہ کے منتخب کردہ افراد میں آنحضور ﷺ کا ایک خصوصی مقام ہے کہ وہ خاتم النبیین' آخر المرسلین ہیں اور تمام انبیاء و رسل کے سردار ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ جیسے نسبت کی تبدیلی سے لفظ توبہ کے معنی بدل جاتے ہیں' اسی طرح یُصَلُّوْنَ کا ترجمہ بھی نسبت کی تبدیلی کے حوالے سے مختلف کیا جائے گا۔ سورۃ التحریم کی آٹھویں آیت کے شروع میں مسلمانوں سے کہا گیا کہ: "اے ایمان والو! توبہ کرو' اللہ کی جناب میں سچی توبہ" جبکہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں بھی ایک نام التواب الرحیم ہے۔ اللہ کی توبہ یہ ہے کہ اگر کوئی نافرمان اور باغی بندہ اس کی جناب میں رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ رحمت اور شفقت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ لفظ "توبہ" اللہ کے لئے بھی استعمال ہو رہا ہے اور بندے کے لئے بھی' لیکن نسبت بدلنے سے اس کا مفہوم بدل گیا۔ اسی طرح لفظ صلوٰۃ جب اللہ تعالیٰ کی نسبت سے آئے گا تو علماء نے اس کا مفہوم یہ معین کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضور ﷺ پر مسلسل رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ فرشتوں کی صلوٰۃ کے بارے میں سورۃ المومن کی ساتویں آیت میں ذکر ہے کہ: "وہ سچے اہل ایمان کے لئے استغفار کرتے ہیں"۔ چنانچہ فرشتے نبی کریم ﷺ کے لئے ہر وقت استغفار کرتے رہتے ہیں۔ اہل ایمان کی صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر رحمتوں کے نزول اور ان کے درجات کی بلندی کے لئے پروردگار کی بارگاہ میں دعا کی جائے۔ لہٰذا نبی ﷺ پر صلوٰۃ یا درود بھیجنے کا بڑا اونچا مقام ہے۔ یہ نہ صرف بہت بڑی نیکی اور ثواب کا کام ہے بلکہ آنحضور ﷺ سے ہماری محبت کا تقاضا بھی ہے۔

صحیح احادیث میں یہ مذکور ہے کہ صحابہؓ نے آنحضور ﷺ سے سوال کیا کہ آپؐ پر سلام بھیجنے کے الفاظ تو ہمیں بتا دیئے گئے جو نماز کے تشہد میں شامل ہیں' اے اللہ کے رسولؐ یہ فرمایئے کہ ہم آپؐ پر درود کیسے بھیجیں۔ اگرچہ صرف "صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ دینا بھی درود ہے لیکن صحابہ کرامؓ کے سوال کے جواب میں جو درود آنحضور ﷺ نے تلقین فرمایا' وہ درود ابراہیمی ہے۔ یہ سب سے زیادہ فضیلت والا درود ہے' جو ہم نماز میں پڑھتے ہیں اور جس کی تلقین خود آنحضور ﷺ نے امت کو فرمائی۔ چنانچہ اس آیت کی تلاوت کے فوراً بعد خطیب درود پڑھتا ہے۔

☆اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ: "اے اللہ' رحمتوں کی بارش نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور آلِ محمدؐ پر"۔

☆کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ: "جیسے کہ تو نے رحمتوں کی بارش برسائی تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور آلِ ابراہیمؑ پر"۔

☆اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ: "بے شک تو تمام خوبیوں کا مالک اور انتہائی سربلندی والا ہے"۔

☆اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ: "اے پروردگار! برکتیں نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور آلِ محمدؐ پر"۔

☆کَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ: "جیسے کہ تو نے برکت نازل فرمائی تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور اُن کی آل پر"۔

☆اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ: "بے شک تو تمام خوبیوں کا مالک اور انتہائی سربلندی والا ہے"۔

لفظ آل کی وضاحت کے ضمن میں صاحب کشاف نے جو تشریح کی ہے' اس کے مطابق آل اور اہل ایک ہی معنی میں ہیں۔ اہل کے اندر رشتہ دار بھی شامل ہیں اور سارے متعلقین بھی۔ لہٰذا جو آنحضور ﷺ سے جتنا قریب ہے' وہ اتنا ہی اس میں زیادہ شریک ہے۔ لیکن امام رازیؒ نے اس کی جو وضاحت کی ہے' اس کے مطابق لفظ اہل کے اندر زیادہ وسعت ہے' جیسے کسی شہر کے رہنے والوں کو اہل کہا جاتا ہے' جبکہ آل کا تعلق قربت' رشتہ داری اور مصاحبت سے ہے۔ تو آنحضور ﷺ کا جو سب سے زیادہ قریبی حلقہ ہے' چاہے وہ رشتہ داروں کا ہو یا آپؐ کے صحابہ کا' وہ سب آل کے اندر شامل ہیں۔

اس کے بعد خطبے میں چوٹی کے صحابہ کرامؓ کا ذکر ہوتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے بعض صحابہ کا نام لے کر ان کی مدح فرمائی تھی۔ ان میں سے چار کا حوالہ تمام خطبات جمعہ میں ضرور دیا جاتا ہے۔ اہل سنت و الجماعت کے نزدیک خلفائے راشدین کی افضلیت ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کا ذکر ہوا۔

☆ اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ: فرمایا: "میری امت میں سے میری امت کے حق میں سب سے زیادہ مہربان ابوبکرؓ ہیں"۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو رحمۃ اللعالمین بنایا تو اسی رحمت کا عکس حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت میں تھا۔ ان کی سیرت کے بے شمار واقعات سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں واقعہ بدر کے قیدیوں کے حوالے سے ہے۔ اس وقت آنحضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی رائے ایک ہی تھی کہ ان کے ساتھ نرم معاملہ کیا جائے اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے' یا یہ کہ کوئی قیدی کسی مسلمان کو پڑھا دے تو اسی کو فدیے کے طور پر قبول کرلیا جائے۔

☆وَاَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ: "اور اللہ (کے دین) کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمرؓ ہیں"۔ ج[illegible] احکاماتِ دین یا غیرتِ دین کا معاملہ ہو تو سب سے ز[illegible] سخت اور بے لچک موقف رکھنے والے صحابی رسولؐ حضر[illegible] عمرؓ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنے خ[illegible] اور جانشین کے طور پر حضرت عمرؓ کو نامزد کیا تو ان کی طبیع[illegible] میں سختی کے حوالے سے بعض صحابہ نے اپنے تحفظات [illegible] اظہار کیا تھا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے انہیں تسلی دی تھی [illegible] جب حضرت عمرؓ پر خلافت کا بوجھ پڑے گا تو یہ سختی اعتدال [illegible] آ جائے گی۔ دین کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی سخ[illegible] مزاجی کے بہت سے واقعات ہیں' جن میں سے ایک کا ذ[illegible] قرآن مجید میں سورۃ النساء میں ہوا ہے۔ کسی منافق کا ای[illegible] یہودی سے کوئی جھگڑا ہو گیا تھا۔ یہودی چونکہ حق پر تھا' ا[illegible] یہ جانتا تھا کہ اللہ کے رسول انصاف سے فیصلہ کریں [illegible] اس لئے وہ منافق کو کھینچ کر حضور ﷺ کی عدالت میں [illegible] گیا۔ آنحضور ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا [illegible] اس پر منافق نے کہا کہ اسے یہ فیصلہ منظور نہیں' حضرت ع[illegible] کے پاس چلتے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس [illegible] گئے۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ فیصلہ دے چکے ہیں جسے منافق نے قبول نہیں کیا' تو انہوں نے تلوار نکالی اور یہ کہتے ہوئے اس منافق کا سر قلم کر دیا ک[illegible] جسے اللہ کے رسولؐ کا فیصلہ منظور نہیں' اس کے لئے پھر یہی فیصلہ ہے۔

☆وَاَکْثَرُھُمْ حَیَآءً عُثْمَانُ: "اور ان میں سب سے زیادہ باحیا عثمانؓ ہیں"۔ یہ بھی انسان کی شخصیت کا ایک خوبصورت رنگ ہے اور نہایت قابل قدر وصف ہے جس میں ممتاز مقام حضرت عثمانؓ کو حاصل تھا۔

☆وَاَقْضَاھُمْ عَلِیٌّ: "اور ان میں سب سے بڑھ کر درست فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں"۔ یعنی معاملات کی سمجھ بوجھ کے حوالے سے سب سے زیادہ صاحب صلاحیت شخص حضرت علیؓ ہیں۔

یہ وہ سرٹیفکیٹس ہیں جو آنحضور ﷺ نے اپنے قریبی صحابہ کو عطا کیے۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کی مدح میں کبھی کبھی ایک حدیث اور بھی یہاں پڑھی جاتی ہے' جو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرتب کردہ خطبات میں شامل ہے۔ صحابہ کرام کی فضیلت اور مرتبے کے حوالے سے یہ بہت اہم حدیث ہے۔ فرمایا:

☆اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ: "میرے اصحاب کے معاملے میں اللہ کا خوف کرو' میرے بعد تم انہیں تنقیص کا نشانہ مت بنانا"۔ یہ درست ہے کہ صحابہ بھی معصوم نہیں ہیں' کسی [illegible] میں ان سے غلطی ہو سکتی ہے' لیکن ان پر بدنیتی کا شبہ کرنا ا[illegible]

کی توہین وتنقیص ہے۔ ویسے بھی اجتہادی معاملے میں غلطی گناہ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر' خلافت سنبھالتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا کہ جیش اسامہ کو' جسے آنحضور ﷺ نے اپنی حیات کے آخری ایام میں تیار کیا تھا' بھیجا جائے یا روکا جائے۔ بعض صحابہ کی رائے یہ تھی کہ اسے نہیں جانا چاہئے کیونکہ ابھی بہت سے فتنے سر اٹھا رہے ہیں اور معاملات کو سنبھالنے میں دیر لگے گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فیصلہ کر دیا کہ یہ لشکر ہر صورت میں جائے گا۔ اس قسم کے فیصلوں میں دو آراء ہو سکتی ہیں کہ یہ فیصلہ صحیح تھا یا غلط' لیکن بہر صورت اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ جب ایک شخص خلوص سے کوئی اجتہادی فیصلہ کرتا ہے تو اس پر بھی اجر ہے' چاہے نتیجہ کے اعتبار سے وہ غلط ہو جائے۔ علمی طور پر تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ فلاں وقت فلاں صحابی سے اجتہادی طور پر غلطی ہوئی' لیکن تنقیص یہ ہے کہ ان کی نیت پر حملہ کیا جائے۔ اس کی اجازت نہیں ہے۔ جب قرآن نے یہ گواہی دے دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو اتار اسخ کر دیا ہے کہ کفر' گناہ اور فسق سے ان کو طبعاً کراہت ہو چکی ہے' اس طرف ان کا اب رجحان ہی نہیں ہے تو اُن پر بدنیتی کا حملہ کرنا ایمان کے منافی ہے۔ صحابہ کرامؓ ' حضور ﷺ کے تربیت یافتہ افراد ہیں۔ ان پر الزام تراشی دراصل توہین رسالت سے کم نہیں۔ اس ضمن میں انتہا یہ ہے کہ کوئی ان کو غاصب اور منافق کہے!

اسی حدیث کے اگلے الفاظ یہ ہیں:

☆فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فبحبي أَحَبَّهُمْ: ''جو ان سے محبت رکھتا ہے' وہ میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت رکھتا ہے''۔

☆وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي اَبْغَضَهُمْ: ''اور جو اُن سے بغض رکھتا ہے' وہ میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے''۔ یعنی اس کا اصل بغض مجھ سے ہے۔ اس حدیث مبارکہ کی رو سے یہ واضح ہو گیا کہ جو لوگ صحابہ کی قدر کرتے ہیں' وہ دراصل حضور ﷺ سے محبت کرنے والے ہیں اور جو ان سے بغض رکھیں' ان کی نیتوں پر حملہ کریں' انہیں اپنے لاشعور میں جھانکنا چاہئے۔ اصل بغض انہیں حضور ﷺ سے ہے' جس کا غصہ وہ صحابہ کرامؓ پر نکال رہے ہیں۔

اس کے بعد خطبے میں جو حدیث آپ بالعموم سنتے ہیں' اس کے راوی حضرت انسؓ ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ آنحضور ﷺ نے اپنے خطبہ میں یہ الفاظ ادا نہ کئے ہوں۔

☆لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَـــهٗ: یہ بہت جامع حدیث ہے۔ ''جس شخص کے اندر دیانتداری کا وصف نہیں' اس کا کوئی ایمان نہیں۔ اور جس کے اندر عہد کی پاسداری نہیں' اس کا کوئی دین نہیں''۔ یہ ایمان اور دین کو ناپنے کا ایک نہایت مؤثر پیمانہ ہے جو حضور ﷺ نے مقرر فرمایا۔ اسے ہر شخص اپنے اوپر لاگو کرے' دوسروں پر نہیں۔ امانت داری کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص آپ کو امین سمجھ کر ایک چیز آپ کے پاس رکھوا رہا ہے' اب اگر آپ اس میں خیانت کرتے ہیں تو گویا آپ یہ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں کہ ایسی کوئی ہستی نہیں ہے جو آپ کے اس عمل کو دیکھ رہی ہو اور آپ کی پکڑ کر سکے۔ اگر اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہے تو یہ بے ایمانی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا امانت میں خیانت فی الاصل ایمان ہی کی نفی ہے۔ امانت صرف یہی نہیں کہ کسی نے پیسے یا کوئی قیمتی اثاثہ آپ کے پاس رکھوا دیا بلکہ ذمہ داری کے مناصب بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ کسی بھی منصب کا حلف اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ پوری ذمہ داری' ایمان داری اور غیر جانبداری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کئے جائیں۔ اس میں اقربا پروری' سفارش' رشوت' کوتاہی نہ ہو۔ اگر یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو پھر امانت میں خیانت ہو رہی ہے۔ آنحضور ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ جس شخص سے آپ مشورہ طلب کرتے ہیں' وہ بھی صاحب امانت ہے۔ اس پر اعتماد کر کے آپ نے اسے امین بنایا ہے۔ اب اس امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ واقعتاً پوری سنجیدگی سے غور و فکر کر کے جو چیز آپ کے لئے بہتر سمجھے' وہی مشورے کے طور پر پیش کرے۔

عہد کی پاسداری کے حوالے سے یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارا دین تو نام ہی عہد کا ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان یہی عہد ہے جس کو ایک اور انداز میں سورۃ التوبہ کی آیت 111 کے آغاز میں خوبصورتی سے بیان کیا گیا کہ: ''اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے''۔ اللہ پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اب یہ جان اور مال اللہ کی مرضی کے مطابق اور اس کے دین کی خدمت کے لئے لگے۔ جو شخص انسانوں کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو پورا نہیں کر رہا' وہ اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو کہاں خاطر میں لائے گا! چنانچہ یہ ایمان اور دین کے عملی تقاضے ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ نے خوبصورتی سے بیان کر دیا۔

خطبے کے آخری حصے میں عام طور پر چند دعائیں شامل ہوتی ہیں۔

☆ اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ: ''اے اللہ! نصرت فرما اسلام کی اور مسلمانوں کی بھی''۔

☆اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ: ''اے اللہ! ہر اس شخص کی مدد فرما جو حضرت محمد ﷺ کے (لائے ہوئے) دین کی مدد میں لگا ہوا ہے اور ہمیں بھی ان میں شامل فرما''۔ جو لوگ بھی دین حق کو پورے کرۂ ارضی پر قائم کرنے کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں' وہ سب اس دعا میں شامل ہیں۔ دعا کے آخری الفاظ بتا رہے ہیں کہ دعا کرنے والے کا اپنا ارادہ اور نیت بھی ہونی چاہئے کہ وہ بھی ایسے لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر اللہ اور رسولؐ کے دین کی نصرت کے اس عظیم مشن میں اپنا حصہ ڈالے اور اس راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی امکانی کوشش کرے۔

☆وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ / اَعْرَضَ عَنْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ: یہاں دو الفاظ لائے جاتے ہیں: ''اور ہر اس شخص کو ذلیل و رسوا کر دے جو دین محمد ﷺ کو رسوا کر رہا ہو یا دینِ محمد ﷺ سے اعراض کرے''۔

☆وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ: ''اور ہمیں ان لوگوں کے ساتھ کبھی شریک نہ کیجیو''۔ ہم کبھی غلطی سے بھی ان لوگوں کے ساتھی نہ بن جائیں جو حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کی رسوائی کا موجب بن رہے ہوں۔ درحقیقت اسلام کی رسوائی یہود کے دل کی آرزو ہے۔ لہٰذا ان کے کہنے پر جو کچھ کیا جائے گا' وہ اس دین محمد ﷺ کی رسوائی کا سامان ہوگا۔ چنانچہ آج ہماری حکومت یہود و نصاریٰ کے دباؤ میں آ کر اسلام کے جہادی تصور اور دینی اقدار کا جو حلیہ بگاڑ رہی ہے تو یہ دراصل دین محمد ﷺ کو رسوا کرنے کا موجب بن رہی ہے اور اللہ کے غضب کو دعوت دے رہی ہے۔

☆عِبَادَ اللّٰهِ' رَحِمَكُمُ اللّٰهُ' اِتَّقُوا اللّٰهَ: ''اے اللہ کے بندو! اللہ تم پر رحم فرمائے' اللہ کا تقویٰ اختیار کرو''۔ اللہ سے ڈرو' اصل قوت وہی ہے۔

☆اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ: یہ سورۃ النحل کی آیت 90 ہے' جس کا شمار قرآن مجید کی جامع ترین آیات میں ہوتا ہے۔ اسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ جمعہ میں شامل کیا اور ان کے دور سے اب تک یہ اس کا حصہ چلی آ رہی ہے۔ اس آیت میں اوامر و نواہی کو تین تین الفاظ میں سمیٹا گیا ہے: ''یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے عدل کا' احسان کا' رشتہ داروں کو (ان کے حقوق) دینے کا''۔ تمام اوامر چاہے وہ عقیدے سے متعلق ہوں یا عمل سے' ان تین عنوانات کے تابع آ جاتے ہیں۔ ''اور منع کرتا ہے بے حیائی سے' برائی سے اور سرکشی سے''۔ ''فحشاء'' میں بے حیائی کی وہ تمام شکلیں شامل ہیں جنہیں آج قومی سطح پر فروغ دیا جا رہا ہے۔ منکرات میں تمام غلط چیزیں جیسے جھوٹ' ملاوٹ' دھوکہ دہی' سود اور جوا شامل ہیں۔ والدین کے سامنے سر اٹھانا' اساتذہ کی بے ادبی کرنا بھی سرکشی ہے' لیکن اس کی سب سے سنگین شکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے آگے بڑھا جائے۔ اللہ کے حکم کو ایک طرف رکھ کر اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کئے جائیں۔ ''وہ (اللہ تعالیٰ) تمہیں

(باقی صفحہ 13 پر)

# بلوچستان کا تازہ بحران

**ایوب بیگ مرزا**

پاکستان اور بحران شاید جنم جنم کے ساتھی ہیں۔ تاریخ کے جھروکے سے جھانک کے دیکھیں بحران ہی بحران دکھائی دیں گے۔ یہاں تک کہ 71ء کے بحران نے قائداعظم کا پاکستان دولخت کر دیا اور نیا پاکستان وجود میں آ گیا۔ لیکن بحرانوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ کبھی لسانی فسادات ایسی صورت اختیار کرتے ہیں کہ سندھ کے شہروں سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگتے ہیں۔ کبھی نظام مصطفیٰ کی تحریک یہ صورت اختیار کرتی ہے کہ ہمسایہ ممالک یہ سمجھ کر فوج سرحد پر لے آتے ہیں کہ اگر پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے تو وہ اپنا حصہ وصول کر سکیں۔ کبھی ایم آر ڈی کی تحریک سندھ میں علیحدگی پسندی کا ایسا رجحان پیدا کرتی ہے کہ اندرا گاندھی اعتراف کرتی ہے کہ مجھ سے بڑی چوک ہوئی ورنہ نئے پاکستان پر بھی ایک کاری ضرب لگانے کا سنہری موقع ہاتھ آیا تھا لیکن میں نے یہ موقع کھو دیا۔

1985ء سے لے کر 1999ء تک دنیا کو پاکستان کے سٹیج سے جمہوریت کا ایسا ناٹک دکھایا گیا کہ ایک دنیا ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئی۔ کبھی اپوزیشن جی ایچ کیو کی طرف دوڑتی ہوئی نظر آتی تھی اور کبھی حکومت۔ اسی جمہوری دور میں سپریم کورٹ پر یوں حملہ ہوا جیسے اس بس پر ہوتا ہے جس نے اپنے ٹائروں تلے ایک بچے کو کچل دیا ہوتا ہے۔ اس دوران اسمبلیاں یوں ٹوٹتی تھیں جیسے بچوں کے کھلونے ٹوٹتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہوا کہ وقت کے وزیراعظم نے آرمی چیف کا جہاز اغوا کرنے کی کوشش کی' آرمی چیف نے طیارے سے ہی جوابی حملہ کیا اور ایوان اقتدار پر فتح کا جھنڈا لہرا دیا۔ شروع شروع میں یوں محسوس ہوا جیسے سارے بحران اب دفن ہو جائیں گے لیکن نائن الیون نے سب کچھ بدل دیا۔ دوست کو دشمن قرار دے دیا اور CBM کے پھول چن کر اپنے ازلی اور پیدائشی دشمن کے گلے میں ہار ڈالے اور حلق پھاڑ پھاڑ کر دوستی کے نعرے لگانے لگے۔ اور ایک ہی ہاتھ سے تالی پیٹنے کی کوشش کرنے لگے لیکن دشمن نے پاکستان کے خلاف سازشیں جاری رکھیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قبائل کے آزاد علاقے جو اپنے حال میں مست تھے اور انہوں نے پاکستان کا کبھی برا نہیں چاہا تھا اور جن کے علاقوں میں کبھی فوج داخل نہیں ہوئی تھی ان کے ساتھ باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ دونوں طرف بڑا جانی نقصان ہوا

المناک پہلو یہ ہے کہ دونوں طرف مسلمان ہلاک ہوئے پہلے افغانستان پر امریکیوں کی مدد کر کے اپنی شمال مغربی سرحد کو غیر محفوظ کر لیا پھر قبائلیوں کے خلاف فوج استعمال کر کے علاقے میں اپنے ہی لوگوں سے تلخی اور کشیدگی کی ایسی فضا قائم کر لی ہے جو مدتوں ختم نہیں ہو سکے گی۔

اگرچہ حکومت دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے شمالی اور جنوبی وزیرستان سے دہشت گردوں کا صفایہ کر دیا ہے لیکن حالات بتا رہے ہیں کہ دہکتے ہوئے انگاروں پر راکھ آ گئی ہے وہ سرد نہیں ہوئے۔ راکھ نے انہیں ڈھانپ دیا ہے اور کسی وقت بھی شعلہ بھڑک سکتا ہے۔ تازہ ترین بحران انتہائی خطرناک محسوس ہو رہا ہے۔ ویسے تو بلوچستان کبھی بھی مطمئن اور مکمل طور پر پُر امن نہیں رہا۔ بھٹو دور میں جب وہاں کی حکومت کو ختم کیا گیا تو زبردست ردعمل سامنے آیا جسے فوجی آپریشن کے ذریعے دبا دیا گیا تھا۔ بہت سے لوگ پہاڑوں میں روپوش ہو گئے تھے۔ یہ بغاوت اتنی شدید تھی کہ اسے دبانے کے لئے مرکزی حکومت کو فضائیہ کی مدد بھی حاصل کرنا پڑی تھی اگرچہ اس بغاوت کو بزور بازو کچل دیا گیا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم پرست رہنما' بلوچ نوجوان کے ذہن میں آسانی سے یہ inject کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ ہمیں مرکز اپنا غلام اور مفتوح سمجھتا ہے۔ بعدازاں BLA یعنی بلوچستان لبریشن آرمی کا نام سننے میں آنے لگا اور اکا دکا دہشت گردی کے واقعات رونما ہونے لگے۔

مشرف دور میں جب بلوچستان میں تین مزید چھاؤنیاں قائم کرنے کی بات حکومت کی طرف سے سامنے آئی تو بلوچوں نے یہ تاثر دیا کہ یہ انہیں قابو رکھنے کے لئے بنائی جا رہی ہیں جس کے بعد اس تنظیم کی کارروائیوں میں خاصی شدت بھی آ گئی اور تیزی بھی اور دو واقعات نے اس جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ایک لیڈی ڈاکٹر شازیہ کے گھر میں گھس کر اس کے ساتھ جنسی تشدد کیا گیا اور یہ افواہ پھیل گئی کہ یہ گھناؤنی حرکت فوج کے ایک کیپٹن نے کی ہے جس سے عوام میں زبردست اشتعال پھیل گیا۔ فوج کی ایک گاڑی کو سر بازار بم سے اڑا دیا گیا۔ گیس کی پائپ لائنوں پر حملے شروع ہو گئے اور سرداروں نے فوج خصوصاً جرنیلوں کے خلاف بیان بازی شروع کر دی۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ صدر مشرف نے اپنے ایک ٹیلیوژن انٹرویو میں یہ کہہ دیا کہ یہ ستر کی دہائی نہیں ہے کہ یہ لوگ بغاوت پھیلا لینے میں کامیاب ہو جائیں گے اب تو انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کہاں سے ہٹ ہوئے۔ اس پر بلوچ رہنماؤں کا شدید ترین ردعمل سامنے آیا اور انہوں نے اسے اپنی توہین قرار دیا۔ سوئی میں گیس کی تنصیبات پر پے در پے حملے ہوئے اور گیس کی سپلائی میں تعطل پیدا ہو گیا۔ صوبائی حکومت نے وفاقی حکومت سے مدد طلب کی اور فوج نے سوئی کے علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ مینگل' مری اور بگٹی قبائل فوجی آپریشن کے خلاف متحدہ مزاحمت کا اعلان کر چکے ہیں۔

پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں حتیٰ کہ خود حکومتی جماعت کی طرف سے یہ مطالبہ آنا شروع ہو گیا کہ مذاکرات کا راستہ اختیار کرنا چاہئے اور سیاسی مسائل کو سیاسی انداز سے حل ہونا چاہئے۔ اس پر چوہدری شجاعت کی سربراہی میں ایک پارلیمانی کمیٹی بنا دی گئی جسے بلوچ سرداروں سے مذاکرات کرنے تھے۔ یہ مذاکرات ہوئے۔ ظاہری طور پر ایک دوسرے کے لئے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کیا گیا۔ حکومتی پارٹی نے یہ تسلیم کیا کہ ماضی میں بلوچستان سے زیادتیاں ہوتی رہی ہیں اب ان زیادتیوں کی تلافی کی جائے گی۔ اس سے پہلے خود جنرل مشرف کوئٹہ میں یہ اعتراف کر چکے تھے کہ سابقہ حکومتوں نے بلوچستان کے حقوق تلف کئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم بلوچستان میں خوشحالی لانے کے لئے ایک کھرب 30 ارب روپے کے میگا پراجیکٹس شروع کر چکے ہیں جس سے بلوچستان میں لوگوں کو روزگار ملے گا اور عوامی سطح پر خوشحالی آئے گی۔ میرانی ڈیم' کچھی کینال اور سبا کزئی ڈیم کے منصوبے زرعی شعبے میں انقلاب لائیں گے۔

بہرحال 17 جنوری کو ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ بلوچستان میں فوجی آپریشن نہیں کیا جائے گا اور تنازعہ کو مذاکرات سے طے کیا جائے گا۔ البتہ بلوچ رہنما آپریشن کے حوالہ سے شک و شبہات میں مبتلا ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر فوجی آپریشن نہیں کیا جانا تو 5 ہزار فوجی جوان بڑی توپیں اور ٹینک بگٹی میں جمع کرنے کا کیا تک ہے۔ علاوہ ازیں فضا میں گن شپ ہیلی کاپٹر کے چکر لگانے کا کیا مطلب ہے۔ مذاکرات کے حوالہ سے حکومتی پارلیمانی کمیٹی خاموشی اختیار کئے ہوئے ہے اور مخالف لوگ انہیں بے اختیاری کا طعنہ دے رہے ہیں۔ شنید یہ ہے کہ مذاکرات میں بلوچ رہنماؤں کی طرف سے سیاسی مطالبات پیش کئے گئے ہیں اور مزید فوجی چھاؤنیاں قائم نہ کرنے کا مطالبہ کیا

گیا ہے۔ سیاسی مطالبات کچھ اس طرح ہیں:

1- 1973ء کا آئین ازکاررفتہ ہو چکا ہے۔ ایک نئی آئین ساز اسمبلی ہو جو ملک کا آئین بنائے۔ اس آئین کی بنیاد یہ ہو کہ مرکز کے پاس صرف تین شعبہ جات ہوں گے (i) امور خارجہ (ii) خزانہ (iii) دفاع۔

2- سینٹ براہ راست منتخب ہو اور اس کے پاس مکمل مالیاتی اختیارات ہوں۔

3- صوبائی قانون ساز اسمبلی اور مرکزی اسمبلی میں کسی قانون پر تضاد ہو تو صوبائی اسمبلی کے پاس مرکزی اسمبلی کو بائی پاس کرنے کا حق ہو۔

4- بلوچستان کی حکومت کو حق حاصل ہو کہ وہ کس وقت تک بلوچستان میں آباد ہونے والے لوگوں کو ووٹ کا حق دے۔

اس ساری صورت حال کو پس منظر میں رکھتے ہوئے راقم کی رائے میں قوت کا استعمال کوئی مستقل حل نہیں۔ بھٹو دور میں اسے قوت کے زور سے دبانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب زیادہ قوت سے مسئلہ اٹھا ہے اور ایک کالم نگار نے جو ایک بلوچی کے حوالہ سے انکشاف کیا ہے کہ بلوچ نوجوانوں کو ملک سے باہر لے جا کر فوجی تربیت دی جا رہی ہے اور یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' بلوچستان لبریشن آرمی کو اسلحہ فراہم کرتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری طرف سے مزاحمتی قوت میں بہت اضافہ ہو چکا ہوگا اور پہاڑوں میں ہونے والی مزاحمت ویسے بھی ریگولر آرمی کے لئے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔

جہاں تک مذاکرات کا تعلق ہے میں نہیں سمجھتا کہ جو شرائط چار جماعتی اتحاد پیش کر رہا ہے وہ اسلام آباد کے لئے قابل قبول ہوں۔ خصوصاً صوبائی اسمبلی کو مرکزی اسمبلی کو بائی پاس کرنے کا حق دینا اور صوبوں کے اختیار میں یہ دینا کہ وہ کس کو ووٹ کا حق دیتے ہیں ناممکن العمل دکھائی دیتا ہے۔ سینٹ کو مالیاتی اختیارات دینے والی بات سمجھ میں آتی ہے۔ قومی اسمبلی اور سینٹ دونوں براہ راست منتخب ہو سکتے ہیں لیکن پہلے دو مطالبے تسلیم کر کے فیڈریشن کو مستحکم رکھنا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔ لہٰذا اب میز کے گرد جمع ہو کر بھی مسئلہ کا حل نکلتا نظر نہیں آتا۔

رہی بات میگا پراجیکٹس کی اور ان پر اٹھنے والے بھاری اخراجات اور ان کے ذریعے صوبے میں خوشحالی کی تو اس سلسلے میں راقم کی سوچ یہ ہے کہ آزادی اور سیاسی حقوق کے نعرہ کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں ورنہ جتنی سرمایہ کاری ایوب خان نے مشرقی پاکستان میں کی تھی اور جس طرح کا صنعتی جال وہاں بچھایا تھا بنگالیوں کو تو اسے ہیرو بنانا چاہئے تھا' لیکن نتائج برعکس نکلے اور ایوب خان کے خلاف تحریک نے اصلاً مشرقی پاکستان میں زور پکڑا۔ لہٰذا مسئلہ لاینحل دکھائی دیتا ہے۔

عالمی حالات اور واحد سپر پاور امریکہ کے طرز عمل کے پس منظر میں قوت کا استعمال تو قطعی طور پر نہیں ہونا چاہئے۔ امریکہ اس وقت ہاتھ دھو کر ایران کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اسے بلوچستان کے اڈوں کی ضرورت ہے۔ وہ کسی بات کو بہانہ بنا سکتا ہے۔ وہ عراقیوں کو صدام کے پنجہ ظلم سے بچانے بغداد پہنچ گیا تھا۔ کیا وہ مشرف کے ظلم وستم سے بلوچیوں کو بچانے بلوچستان نہیں پہنچ سکتا۔

امریکہ مسلمان ممالک پر حملہ آور ہونے کے لئے جس ڈھٹائی اور بے شرمی کا مظاہرہ کر رہا ہے اس سے بدترین کی توقع رکھنی چاہئے اور بھارت ایک مرتبہ پھر جس طرح تعلقات کو بگاڑ رہا ہے وہ بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے۔ لہٰذا بلوچستان میں مرکزی حکومت کو طاقت کے استعمال کا آپشن ہی ختم کر دینا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اسلام اور جمہوریت کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا لیکن اس کی تعمیر ان دونوں بنیادوں سے ہٹ کر کرنے کی کوشش کی گئی جس سے یہ 24 سال کی قلیل مدت میں شکست وریخت کا شکار ہو گیا' اور اب باقی حصہ بری طرح ڈگمگا رہا ہے۔ اے! کاش اسلامی نظام کو پاکستان میں نافذ کر دیا جاتا تو وہ ایک سپر قوت بن کر ابھرتا لیکن اگر ایک مستحکم اسلامی فلاحی ریاست بننا اس کے نصیب میں نہیں تھا تو ایک حقیقی جمہوری طرز حکومت کو ہی اپنا لیتا۔ اس صورت میں وہ ایک مستحکم ملک اور سپر قوت بن کر تو نہ ابھر سکتا مگر اس کی بقا بھی اس طرح سوالیہ نشان نہ بنی ہوتی جس طرح آج کل ہے۔ اس بات کو بھی بلوچستان کی صورت حال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ آج بھی آپ عطا اللہ مینگل اور اکبر بگٹی سے جب آپ پوچھتے ہیں کہ آپ بلوچستان کے وزیر اعلیٰ اور گورنر رہے۔ آپ نے اس دوران بلوچستان کے لئے کیا کیا تو وہ کچھ جھینپ جاتے ہیں اور ادھر ادھر کی مارنے لگتے ہیں۔ فرض کیا قیام پاکستان سے لے کر آج تک مرکزی اور صوبائی سطح پر خالص جمہوری حکومتیں ہوتیں (مارشل لاؤں کی مصنوعی جمورتیں نہ ہوتیں) تو ان کے پاس اعتراض کرنے کا کیا جواز رہ جاتا۔

سچی بات یہ ہے کہ پاکستان اب اپنی بقا کے حوالہ سے بند گلی میں داخل ہو چکا ہے اب بھی بچت کا کوئی امکان ہے تو وہ اپنی حقیقی بنیادوں کی طرف رجوع کرنے سے ہی ممکن ہے۔

## غیر مسلم کی فریاد مسلم قوم کے نام

ایک ہی پربھو کی پوجا اگر کرتے نہیں — ایک ہی دربار پہ سر آپ بھی دھرتے نہیں
اپنی سجدہ گاہ دیوی کا اگر استھان ہے — آپ کے سجدوں کا مرکز بھی تو قبرستان ہے
اپنے دیوتاؤں کی گنتی ہم اگر رکھتے نہیں — آپ بھی مشکل کشاؤں کو تو گن سکتے نہیں
جتنے کنکر اتنے شنکر یہ اگر مشہور ہے — جتنے مُردے اتنے سجدے آپ کا دستور ہے
اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہے گر کچھ اختیار — آپ کے ولیوں کی طاقت کا نہیں ہے کچھ شمار
وقتِ مشکل ہے اگر نعرہ جے بجرنگ بلی — آپ کو دیکھا لگاتے نعرہ یا حیدر علی
لیتا ہے اوتار پربھو اپنا گر ہر دیش میں — آپ نے سمجھا خدا کو مصطفیٰ کے بھیس میں
جس طرح ہم ہیں بجاتے مندروں میں گھنٹیاں — تربتوں پہ آپ کو دیکھا بجاتے تالیاں
ہم بھجن کرتے ہیں گا کر دیوتا کی خوبیاں — آپ بھی قبروں پہ گاتے جھوم کر قوالیاں
ہم چڑھاتے ہیں بتوں پر دودھ یا پانی کی دھار — آپ کو دیکھا چڑھاتے ہوئے مرغ و چادر بے شمار
بت کی پوجا ہم کریں ہم کو ملے نارِ سقر — آپ پوجیں قبر کو کیونکر ملے جنت میں گھر؟
آپ مشرک ہم بھی مشرک' معاملہ جب صاف ہے — جنتی تم' دوزخی ہم' یہ کوئی انصاف ہے؟
مورتی پتھر کی پوجیں اگر ہم تو بدنام ہیں — آپ سنگ نقش پا پوجیں تو نیکو نام ہیں
کتنا ملتا جلتا میرا آپ سے ایمان ہے — آپ کہتے ہیں مگر ہم کو کہ بے ایمان ہے
شرکیہ اعمال سے گر غیر مسلم ہم ہوئے — پھر یہی اعمال کر کے کیسے مسلم تم رہے؟
ہم بھی جنت میں رہیں گے تم اگر ہو جنتی
ورنہ دوزخ میں ہمارے ساتھ ہوں گے آپ بھی

برادرانِ اسلام! ان اشعار کو بغور پڑھئے اور اپنے حالات کا جائزہ لیجئے' اگر واقعی آپ کے اعمال کافروں اور مشرکوں جیسے ہیں تو فوراً ان سے توبہ کیجئے اور قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ کے مطابق اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کر لیجئے اور اللہ سے ہدایت کے لئے دعا بھی کرتے رہئے' ورنہ دنیا میں سوا ذلت ومحتاجی اور مرنے کے بعد آخرت میں پچھتاوے اور دوزخ کی آگ میں ہمیشہ جلتے رہنا پڑے گا۔

# تقلید کی شرعی حیثیت

ایک دلچسپ علمی مذاکرہ جس کے ذریعے موضوع زیرِ بحث کے ضمن میں معاشرہ میں پائے جانے والے مختلف نقطہ ہائے نظر کی وضاحت عمدگی سے ہوتی ہے۔ گذشتہ دنوں اس حساس اور اہم دینی موضوع ''تقلید کی شرعی حیثیت'' پر ایک نجی ٹی وی نے ایک علمی مذاکرہ کا انعقاد کیا اور تبادلہ خیال کے لئے ملک کے ممتاز علماء اور دانشوروں کو دعوت دی۔ قطع نظر اس بات کے کہ اس مذاکرے میں کون کون شریک ہوا، اس اہم موضوع پر مختلف مکاتب فکر کے علماء کی آراء افادہ عام کے لئے پیش خدمت ہیں۔ ادارہ ندائے خلافت کا ان آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

(ادارہ)

سوال: تقلید کا لفظ ہمیں قرآن وحدیث میں نہیں ملتا، آپ فرمایئے کہ تقلید کی تعریف کیا ہے، اس کا آغاز کب ہوا اور اس کا تصور کیا ہے؟

جواب: (دانشور) رسول اکرمؐ کے زمانے میں لوگوں کو جب دین سے متعلق بات دریافت کرنا ہوتی تھی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ صحابہ کرام کا بھی یہی طریقہ تھا۔ رسول اکرمؐ کے بعد بھی جب لوگوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ اہل علم سے ہی رجوع کرتے تھے۔ اگر ایک صاحب علم کی بات پر تسلی ہوجاتی تھی تو ٹھیک ورنہ وہ کسی دوسرے کے پاس جاتے اور اس کی تصدیق حاصل کرلیتے۔ اس کے بعد ہمارے ہاں اسلامی قانون باقاعدہ مرتب ہونے شروع ہوئے۔ یہ وہ دور ہے جس میں ہمارے جلیل القدر فقہاء پیدا ہوئے جن میں امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام حنبلؒ اور ان کے بعد بھی بہت سے جلیل القدر آئمہ کرام پیدا ہوئے۔ مسلمانوں نے بالعموم ان میں سے کسی نہ کسی امامؒ کو اپنا مرجع سمجھ کر اس کی طرف رجوع کرنا شروع کردیا۔ پھر خیال پیدا ہوا کہ جو اصول اب مرتب ہوگئے ہیں اور جن جزویات میں ان آئمہ نے کوئی رائے دے دی ان میں اگر لوگوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ کبھی یہاں سے کوئی بات سن لیں، کبھی وہاں سے کوئی بات سن لیں تو اس سے وہ خواہش نفس کے پیرو ہوجائیں گے اور اس امر کا شدید اندیشہ ہے کہ جو بات انہیں اچھی لگے گی اسے قبول کرلیں گے اور اس طرح دین بازیچہ اطفال بن جائے گا۔ لہٰذا لوگوں کو اس کا پابند کردیا جائے کہ وہ ایک متعین امام کی تقلید کریں اور اصول وفروع میں وہ کسی ایک امام کو اپنا مرجع مانیں۔ اسی اصول کو عام زبان میں تقلید کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی ایک متعین امام کی پیروی کرنا۔

سوال: کیا کسی معاشرے میں کردار سازی کے لئے تقلید اپنا نمایاں کردار انجام دیتی ہے یا دے سکتی ہے؟

جواب: میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو طریقہ تھا وہی فطری طریقہ ہے جب اس طریقہ کو چھوڑا جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم ایک چیز حاصل کریں گے اور دوسری کھو بیٹھیں گے۔ اگر سادہ لفظوں میں اس کو بیان کریں تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک عالم یا ایک محقق براہِ راست چیزوں کو اخذ کرتا ہے اور باقی لوگ اس کی مدد سے چیزوں کو سمجھتے ہیں۔ یہ میرے نزدیک فطری طریقہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک رائے دیکھتے تھے اور شام کو انہیں معلوم ہوتا تھا کہ ابوموسیٰ اشعریؓ اس سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ سیدنا علیؓ سے ایک بات پوچھتے تھے تو بعد میں معلوم ہوتا تھا کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا نقطہ نظر دوسرا ہے تو وہ اس کو اختیار کرلیتے تھے۔ اس سے ایک زندہ معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں جمود نہیں ہوتا بلکہ لوگ آگے بڑھتے ہیں۔

سوال: جس طرح آپ نے فرمایا کہ قرون اولیٰ میں صبح کو ایک فیصلہ سنا اور شام کو فیصلہ اس سے بہتر آیا تو لوگ اپنے گزشتہ فیصلے کو تبدیل کردیتے تھے، تو کیا وہ عہد یا وہ تصورات اس معاشرے پر لاگو ہوسکتے ہیں؟

جواب: یہ تصورات ہر معاشرے پر لاگو ہوسکتے ہیں بشرطیکہ آپ اپنی قوم کی تربیت کریں۔ پہلے ہمیں دین کی لوگوں کو تعلیم دینی چاہئے اور بتانا چاہئے کہ دین میں مسائل کیسے پیدا ہوتے ہیں، اصول کیا ہیں؟ جب تک معاشرے کی تعلیم وتربیت کا اہتمام نہیں کیا جائے گا تب وقت تک یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ایک شخص بلاسوچے سمجھے جو چیز چاہے گا قبول کرلے گا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی میں ایک چیز ادھر سے اور ایک چیز اُدھر سے لے لے گا لیکن اس کا یہ علاج نہیں ہے کہ آپ پابندی لگادیں بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ معاشرے کی تعلیم وتربیت کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے۔

سوال: آپ کے مکتبہ فکر میں تقلید کو بالکل قبول نہیں کیا جاتا۔ یقیناً اس کے کچھ اسباب ہوں گے، پوری فکر ہوگی۔ آخر کیا وجوہات ہیں کہ وہ تقلید کو یکسر رد کردیتے ہیں؟

جواب: (اہل حدیث عالم دین) سورہ النساء کی آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی۔''

یہاں اللہ خداوند تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کا تبعاً حکم دیا ہے مستقلاً حکم نہیں دیا یعنی لفظ اطاعت بھی دوبارہ ذکر نہیں کیا گیا۔ معارف القرآن میں مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد علماء اور حکمران دونوں ہیں۔ ان کی اطاعت اسی صورت میں کی جائے گی کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول محمدؐ کی اطاعت کے دائرے میں ہوں۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ جنہیں رحمت عالم محمدؐ نے ایک لشکر کا امیر بنا کر روانہ فرمایا کسی بات پر وہ ناراض ہوگئے۔ لوگوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو، ان میں آگ لگاؤ، جب آگ روشن ہوئی تو حکم دیا کہ اس میں چھلانگ لگاؤ، اب صحابہ سہم گئے اور کہنے لگے آگ سے بچنے کے لئے ہم نے اسلام قبول کیا تھا، ہم آگ میں کیسے کودیں؟ اختلاف ہوا اور بہرحال رک گئے۔ جب واپس آئے تو اللہ کے رسولؐ سے پورا واقعہ بیان کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے درست کیا، اگر آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ آگ میں رہتے۔ یہاں پر تقلید اور اطاعت میں جو بنیادی فرق ہے وہ واضح ہوتا ہے کہ اگر وہ بغیر دلیل اور حیل وحجت کے بلاسوچے وسمجھے آگ میں کود جاتے تو وہ تقلید تھی۔ شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور قرآن وحدیث اس بات کے شاہد ہیں کہ اطاعت اور اتباع کے سوا لفظ تقلید ایک انسان کے لئے استعمال ہی نہیں کی گئی۔ اس وجہ سے بھی کہ تقلید اندھا دھند کسی کے پیچھے چلنے کو اور بغیر کسی دلیل کے مان جانے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن سبکیؒ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ ''دلیل کی معرفت کے بغیر کسی کے قول کو اخذ کرنا یہ تقلید ہے۔'' اس کی شرح میں علامہ جلال الدین محلیؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے قول کو اس کی دلیل پہچان کرلینا یہ اجتہاد ہے تو گویا ایک عالم شخص بھی اگر شعور رکھتا ہے کہ میں فلاں سے مسئلہ پوچھ رہا ہوں اور وہ قرآن سے بتلا رہے ہیں، حدیث یا کسی فقہ سے بتلا رہے ہیں تو وہ مقلد نہیں رہا اس لئے کہ اس نے اس دلیل کو پہچاننے کی کوشش کی۔ اُمت مسلمہ میں جو لفظ تقلید رائج ہے یہ نہ صرف قرآن وسنت سے انسان کو دور کرنے کا باعث بنا بلکہ ایک طرح سے اللہ اور اس کے

رسولؐ کے بہت سے احکامات میں انسان نظریں بند کر لیتا ہے اور اس سے اس وجہ سے اپنے آپ کو روکنے کی کوشش کرتا ہے کہ میں ایک کا پابند ہو گیا اور یہ خود ساختہ پابندی اس نے اپنے اوپر عائد کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو مکلف نہیں کیا کہ وہ شافعیؒ، حنفیؒ، مالکیؒ یا حنبلیؒ کہلوائے۔ اللہ نے اسے حکم دیا ہے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی پیروی کرے۔ اسی طرح چار آئمہ کرام جن کے نام پر بالخصوص مذاہب رائج ہیں ان کے اقوال ہیں کہ کسی ایک شخص کی تقلید کو اپنے اوپر لازم مت پکڑو۔ وہاں سے دلیل لو جہاں سے انہوں نے دلیلیں لی ہیں یعنی قرآن سے۔

(فقہ جعفریہ کے عالم) اگر ہم تقلید کی لفظی بحث میں پڑیں گے تو جتنے بھی مسالک ہمارے ہاں فقہ کے حوالے سے رائج ہیں تو پھر ہمیں اس حساب سے ایک الگ بحث کرنا پڑے گی دیکھنا یہ ہے کہ اصطلاحاً تقلید سے ہم کیا مراد لیتے ہیں۔ تقلید کے لفظاً معانی ''کسی کو گلے میں ڈالنا کے ہیں'' جیسے شریعت کے معانی ''گھاٹ'' کے ہیں اور کیا ہم شریعت میں شریعت کے یہ معانی لیتے ہیں۔ اب تک کی بحث میں جو بات سامنے آئی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تقلید انسانی فطرت ہے، چاہے 14 کروڑ عوام ہوں، 14 ارب آبادی ہو جائے اس میں کچھ افراد کو مقلد کرنا اور کچھ کو مقلد ہونا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اجتہاد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ہر شعبے کا ماہر بنا جا سکتا ہے۔ تقلید میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی کہ کسی کی آپ نے بیعت کر لی اور کسی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ یہ ایک فطری اور علمی ارتقا کا مرحلہ ہے اور انسان ہر فن کا عالم یا میدان کا ماہر نہیں ہوتا، وہ اس سے رجوع کرے گا جو اس فیلڈ کا ماہر ہوگا۔ سورۃ توبہ کی آیت نمبر 121 میں تقلید کے حوالے سے بالکل صاف اور واضح حکم دیا گیا۔ جیسے ہم ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور بالکل جس طرح سے معلم اور متعلم کے درمیان رشتہ ہوتا ہے ظاہر ہے کہ یہ بھی رجوع کرنے کا ایک عمل ہے لیکن اس سے مراد اندھی تقلید نہیں ہے۔ 14 کروڑ لوگ مدرسے میں داخل نہیں کرائے جا سکتے وہ فقہا و علماء بن گئے تو صورتحال کیا سے کیا ہو جائے گی لہٰذا حکم ہے کہ ہر میدان میں کچھ لوگوں کو ہونا چاہئے۔ حکم شرع اولی الامر کو کہا جاتا ہے جو شرع پر پورا عبور رکھتا ہو کہ کہیں جب کچھ طے نہ ہو سکے تو اس کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے، یہ خود تقلید کی ایک شکل ہے جو فطری طور پر انسان پر لازم آتی ہے۔

مجتہد کی تقلید حرام ہے، وہ تقلید نہیں کر سکتا۔ تقلید بالکل ایک عقلی مسئلہ ہے کہ ہر آدمی مسئلے کا حل نہیں ڈھونڈ سکتا۔ حضور نبی اکرمؐ نے اپنی حیات طیبہ کے اندر ہی کچھ لوگوں کو نیابت دی اور بھیجا۔ حضرت علیؓ کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا گیا تو وہاں انہوں نے عدالتوں میں سختی سے کام لیا تو لوگوں نے آ کر حضور نبی اکرمؐ سے شکایت کی جس پر پیغمبر اکرمؐ شکایت کرنے والے پر غصہ ہوئے اور فرمایا ''تم کیا چاہتے ہو، تم نہیں جانتے کہ علیؓ اللہ کا حکم نافذ کرنے میں کتنا سخت ہے۔'' عبان بن تغلب کا ایک مشہور واقعہ پانچویں امام امام محمد باقرؓ سے کہ آپ نے اس کو حکم دیا کہ ''بیٹھو مسجد میں مدینہ میں جا کے اور لوگوں کے لئے فتویٰ دو۔''

سوال: اہل حدیث عالم سے: کیا آپ ان کی گفتگو سے اتفاق کرتے ہیں؟

نہیں، بنیادی طور پر ایک بات سمجھنے میں علامہ صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ وہ مسائل جن میں ہم اجتہاد نہیں کر سکتے ان میں کس کی تقلید کریں گے۔ یہ بھی تقلید نہیں ہے، تقلید میں کسی دلیل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ علامہ صاحب نے کہا ہے کہ ہم مجتہد کا تقلید کرنا حرام خیال کرتے ہیں لیکن یہ انتہائی تعجب خیز بات ہے کہ چار یا پانچ مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے مجتہدین بھی اس تقلید کے دائرے سے باہر نہیں آتے اور وہ خود کو اسی مکتب فکر سے وابستہ رکھتے ہیں جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ اگر وہ درجہ اجتہاد کو پہنچ گئے تو وہ پھر اپنے آپ کو یہ نہیں کہیں کہ میں اب حنفی ہوں یا شافعی یا جعفری ہوں بلکہ یوں کہے کہ میں ایک تابع سنت ہوں، ایک عام مسلمان ہوں، اجتہاد کے درجے پر ہوں، اللہ نے اتنی توفیق دی کہ میں دین کو سمجھ سکتا ہوں، سمجھا سکتا ہوں۔

تقلید کا یہ نقصان ہے کہ عام تو عام، پڑھے لکھے علماء بھی اس دائرے سے باہر نہیں آتے جو پابندی انہوں نے خود اپنے اوپر لازم کر لی ہے جو اللہ نے لازم نہیں کی، جو رسول اکرمؐ نے لازمی قرار نہیں دی بلکہ اس دور میں اس لفظ کا وجود ہی نہیں تھا۔ لفظ کی باریکیوں پر بھی اس وقت نہیں جانا چاہئے جب اس کے متبادل کوئی لفظ قرآن و حدیث میں نہ ہو۔ فقہ کا لفظ قرآن و حدیث میں موجود ہے اور اس سے تقلید کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔ تقلید کا لفظ حدیث میں آتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رحمت عالمؐ جب حج پر جانے لگے تو میں نے آپ کے جانوروں کے لئے اپنے ہاتھ سے ہار بنا۔ پھر آپ نے وہ ہار ان اونٹوں کو پہنچائے۔ لہٰذا ''قلادہ'' یا تقلید کا لفظ اس معانے میں بھی حدیث میں ہے۔ حضور نبی اکرمؐ نے دین سے ہٹ کر دنیاوی معاملے میں جب کبھی کوئی رائے دی تو احادیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اسے نہیں لیا۔ جیسے مشہور واقعہ ہے کہ بریرہ ایک لونڈی تھی۔ حضور اکرمؐ نے اس کی قیمت ادا کر کے اسے آزاد کروایا۔ اس نے کہا کہ حضور نبی اکرمؐ میں اپنے شوہر مغیث کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی۔ آپؐ نے فرمایا کہ بریرہ دیکھو، تمہارا شوہر تم سے کتنی محبت کرتا ہے، آگے آگے بریرہ ہیں اور پیچھے مغیث روتے جا رہے ہیں کہ بریرہ مجھے قبول کر لو۔ آپ نے فرمایا: بریرہ مغیث کے ساتھ رہو۔ وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسولؐ آپ حکم دیتے ہیں یا یہ آپ کی رائے ہے۔ آپ نے فرمایا: میں حکم نہیں دے رہا، میری رائے ہے۔ وہ کہنے لگی پھر میں نہیں مانتی۔ معلوم ہوا کہ اگر تقلید لازم ہوتی تو سب سے زیادہ تقلید کے حقدار تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ علم اور دین کی روایت میں کہیں تقلید موجود نہیں ہے۔

سوال: علم اور دین کی روایت میں کہیں تقلید موجود نہیں ہے اور اہل حدیث عالم دین نے ابھی جو واقعہ سنایا ہے کیا یہ تقلید کے زمرے میں آئے گا؟

جواب: (دانشور) فطری طور پر ایسا ضروری نہیں ہے کہ ہر آدمی دلیل طلب کرنے کے لئے بیٹھے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مناظرہ کرے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مباحثہ کرے۔ عام طور پر ہم اعتماد کرتے ہیں۔ اصل میں خرابی وہاں سے پیدا ہوتی ہے جہاں ہم فطری حدود سے تجاوز کر کے ایک قدم آگے رکھتے ہیں اور اب ایک باقاعدہ شرعی مسئلے کی حیثیت سے تقلید کو بیان کرتے ہیں کہ چوتھی صدی کے بعد اب کسی صاحب علم کے لئے اصول میں کوئی رائے قائم کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی۔ اصل میں عام آدمی کا فطری طور پر ماہرین کے پاس جانا، ان سے رائے طلب کرنا، ان سے معلوم کرنا، ان سے پوچھنا غلط نہیں ہے، ناجائز نہیں ہے۔ خرابی یہاں سے پیدا ہوئی جب علماء نے اپنے اوپر یہ بات لازم کر لی کہ اگر وہ حنفی ہیں تو وہ پیدائشی حنفی ہیں اور اب انہیں کبھی اہلحدیث کی رائے پر غور نہیں کرنا ہے۔ اگر وہ شافعی ہیں تو ان کے لئے حرمت کے درجے میں کبھی امام مالکؒ کی کسی رائے پر غور نہیں کرنا۔ یہ سب آئمہ ہمارے آئمہ کرام ہیں۔ اگر ہم انہیں دین میں رہنما مانیں خواہ وہ امام مالکؒ ہوں، شافعیؒ ہوں، احمد بن حنبلؒ ہوں، بعد کے جلیل القدر علماء ہوں، محدثین ہوں، فقہا ہوں، سب کو اپنا رہنما مانیں اور یہ خیال کریں کہ موجودہ زمانے میں بھی اگر کوئی صاحب علم ہے تو ہم اس کی طرف رجوع کریں گے، پوچھیں گے۔ یہاں پر عام آدمی کا مسئلہ نہیں ہے، وہ یہاں زیر بحث نہیں ہے۔ اگر عام آدمی کے بارے میں کہا جائے کہ اس کو کسی صاحب علم کی طرف رجوع کرنا چاہئے تو کون اس سے اختلاف کرے گا۔ اگر کہا جائے کہ اسے اپنا نسخہ خود لکھنے کے بجائے کسی اچھے ماہر طب کی طرف رجوع کر لینا چاہئے ورنہ اس کی صحت کو خطرہ لاحق ہو جائے تو مولانا بھی اس سے اختلاف نہیں کریں گے۔ مصیبت یہاں واقع ہوتی ہے کہ اہل علم اپنے اوپر یہ چیز حرام کر بیٹھے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اب جو حنفی پیدا ہوا ہے وہ حنفی

ہی ہوگا۔ جو شافعی پیدا ہوا وہ شافعی ہی مرے گا اور کسی اور رائے کو اختیار کرنا یہ حرمت کے درجے میں ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو درحقیقت آئمہ کو پیغمبر کا درجہ دے دیتی ہے جس کے بعد دین کے تمام مقاصد بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اس خرابی کی اصلاح علماء میں کرنے کی ضرورت ہے۔ عام آدمی تو بیچارہ وہیں کھڑا ہوتا ہے اس کو آپ اجتہاد کرنے کے لئے کہہ دیں گے تو معلوم نہیں وہ کیا کچھ کر ڈالے گا اور کیا آراء قائم کرے گا۔ عام آدمی کی تعلیم و تربیت کی اشد ضرورت ہے۔ اگر اسے مناسب تعلیم کے بغیر کہہ دیں کہ یہ یہاں سے لے لو، یہ وہاں سے لے لو۔ اس کا شدید اندیشہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی گہرے کھڈ میں ڈال لے گا۔ ہمارے آئمہ کو پیغمبر کا درجہ دے کر اُمت میں اتحاد و اتفاق اور مکالمے کے راستے بند کر دیئے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ عوام کی تعلیم کے ساتھ ساتھ علماء کی تعلیم کی بھی ضرورت ہے۔

سوال: کیا تقلید نے اجتہاد کے دروازے بند کر دیئے؟

جواب: (حنفی عالم دین) بالکل میں اس سے اتفاق کرتا ہوں، کیونکہ عالم دین اپنی دینی ذمہ داری سے فرار اختیار کر رہا ہے۔ انسان کی ذہنی استعداد اور ذہنی شعور کا جو ہر وہ اپنے حالات کے بہت حد تک تابع ہوتا ہے اور اس کے مطابق اپنی قبولیت کی صلاحیتیں بدلتا رہتا ہے۔ علماء کے اس رویئے کی جانب جس طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے، ہماری موجودہ ذہنی استعداد دین سے متعلق نہیں رہی اور ہماری ساری استعداد سب سے قیمتی چیز یعنی دین سے غیر متعلق ہوگئی ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے اس لئے ہم کوئی ایسا اسلوب فراہم نہیں کر پائے ہیں جو ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود طرز استدلال سے ایک اطمینان بخش مناسبت رکھتا ہو، ایک دوئی پیدا ہوگئی ہے اور یہ نقصان بھیانک حد تک ہے۔ دین اپنی تفصیل میں صحت فہم دین کا مطلوب نہیں ہے۔ دین کا مطلوب صداقت وابستگی ہے۔ میں اپنی وابستگی کی صداقت کے ساتھ دین سے تعلق کے مضبوط ذرائع پر عامل رہتے ہوئے اگر اپنے عمل یا درکار فہم میں کوئی غلطی کرتا ہوں تو اُمید ہے کہ آخرت میں اس کے لئے مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس طرز فکر نے دین کے اس بنیادی مزاج کو بھی بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اب دین سے تعلق کی تمام سطحیں انتہائی مکینیکل اور انتہائی پست درجے پر قانونی صداقت ثابت کرنے والی رہ گئی ہیں۔

سوال: کیا بیک وقت ایک سے زیادہ اماموں کا مقلد ہوا جا سکتا ہے۔

جواب (شیعہ عالم دین) اس سے قبل تنقیدی گفتگو ہو رہی تھی۔ اب موضوع ذرا کھل کر میدان میں آ گیا ہے۔ عقائد اور اصول میں تغیر بالکل نہیں ہے۔ کسی بھی مکتبہ فکر میں نہیں ہے۔ اصول دین اور عقائد میں چاہے چھوٹی لیکن دلیل ہونی چاہئے کیونکہ عقیدے کا انصاف سے تعلق ہے جبکہ فروغ دین کا تعلق انسان کے عمل سے یا اس کی عملی زندگی سے ہے۔ اس سے تقلید کا معاملہ جڑا ہوا ہے۔ تقلید اور اجتہاد دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ تقلید میں کوئی جمود نہیں۔ کسی مسئلے کی شرعی حیثیت نکالنے کے لئے اجتہاد سے کام لیا جا رہا ہے اور یہ قرآن سے متصادم بھی نہیں ہے کیونکہ امام نے خود بھی فرما دیا کہ اگر ہمارا کوئی قول آیت سے ٹکراتا ہوا نظر آ جائے تو اس قول کو دیوار پر مار دو۔ بات تو یہاں ہی ختم ہوگئی کہ ہر بات سے پہلے قرآن کو لینا ہے۔

سوال: کیا آپ بھی یہی بات کہتے ہیں؟ (اہل حدیث عالم دین سے)

جواب: (اہل حدیث عالم دین) ان اماموں نے تو یہی فرمایا لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہوا۔

سوال: کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم ایک وقت میں چار پانچ اماموں کی باتوں کو قبول کر لیں، یعنی دیگر مسالک کے امام کو بھی؟

جواب: (شیعہ عالم دین) ہمارے ہاں تو یہ امکان موجود ہے۔ تمام اماموں کی ایک ہی بات ہے لیکن مجتہدین جو نائبین امام ہیں ان کے بارے میں اجازت ہے کہ کسی کی تقلید میں جبر نہیں ہے۔ اب دیگر مسالک کے اماموں کی ایک ہی وقت میں تقلید کے حوالے سے میں نہایت جرأت کے ساتھ کہوں گا کہ اگرچہ بعض حضرات میری اس بات سے اختلاف کریں گے۔ آپ یقین کریں کہ اگر پانچوں فرقوں کو جمع کرا لیا جائے تو میرے ناقص حساب کے مطابق وہ فقہ جعفریہ صادق ہی بنتی ہے۔ میں آج کی بات کر رہا ہوں، چوتھی صدی کی بات نہیں کر رہا۔ اگر کسی مسئلے کا حل کہیں دوسرے مسلک سے مل جائے تو اسے حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہماری فقہ میں تو اس حوالے سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

سوال: (اہل حدیث عالم دین سے) آپ اس حوالے سے کیا فرماتے ہیں؟

جواب: متبع کتاب و سنت کے لئے کسی کے درست قول کو لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ چاہے وہ صحیح بات امام جعفر صادق کی ہو، امام حنفیہ کی ہو یا امام مالکؒ یا امام شافعیؒ کی۔ فقہائے اُمت کی تعداد چار پانچ نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ہے اور قیامت تک یہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ تقلید کا بنیادی نقصان یہ ہے کہ ہم اپنی اس نسبت کو نہیں چھوڑ پا رہے۔

(حنفی عالم دین ___ بات کاٹتے ہوئے) مجھے مولانا کی اس بات سے کلی اختلاف ہے۔ نسبت اور تقلید میں بڑا فرق ہے۔ نسبت ایک تہذیبی قدر کے طور پر جاری رہ سکتی ہے۔ ایک دبستان کی تشکیل میں کام آتی ہے اور دبستان کا یہ ایک عنوان ہوتا ہے۔ اس طرح اگر میں خود کو حنفی کہتا ہوں تو یہ ایک نسبت ہے جس کا زور دینی سے زیادہ تہذیبی ہے کہ میں اپنے استاد کے نام کو ساتھ رکھتا ہوں۔

(دانشور) آپ ڈاکٹر کے پاس جا کر نسخہ لکھواتے ہیں، اس سے نسخے کی وجہ دریافت نہیں کرتے کہ اس نے فلاں دوا کیوں لکھ دی، لیکن اگر مسئلہ پوچھنے والا پوچھے کہ مسئلے کی بابت آپ کہاں سے کہہ رہے ہیں اس کے بعد ہمارا جواب کیا ہے؟ ایک جواب یہ ہے کہ تم کو یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے۔ ایک یہ ہے کہ بھئی بیٹھ جاؤ، جتنی استعداد تم میں ہے ہم تمہیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس دوسرے طریقے سے اس آدمی کی تعلیم و تربیت ہوگی۔ ہم اسے کسی اور صاحب علم کے پاس جا کر مزید اطمینان اور تسلی کے بارے میں بھی کہہ سکتے ہیں۔ جب کسی جلیل القدر عالم کی کسی دوسرے عالم سے بات ہو رہی ہو اور ایک کہے کہ آپ کو میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی آیئے مذاکرہ کرتے ہیں اور اس کے بعد وہ ساری زندگی حنفی یا شافعی رہا تو کوئی قیامت نہیں آئی لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ آپ نے جو کہنا تھا کہہ لیا، ہمارا امام تو یہ کہتا ہے، بس خرابی اس بات میں ہے۔

ایک بار ایک پڑھا لکھا نوجوان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے یہ سمجھا ہے کہ ہر چیز کو تحقیق کر کے جاننا چاہئے۔ میں مسلمان ہوں، میں نے سنا ہے کہ ایک مسیحی مذہب بھی ہے، یہودی اور ہندو مذہب بھی ہے اور اگر میں ان تمام مذاہب کی تحقیق کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوں تو نہ میں اپنے بچوں کی پرورش کر سکتا ہوں اور نہ تعلیم کا بندوبست کر سکتا ہوں۔ میرے ساتھ کیا ہوگا اور اگر میں ایسا نہیں کرتا تو قیامت کو اللہ تعالیٰ مجھ سے کہیں گے کہ تم نے تحقیق کر کے کیوں نہیں جانا۔ اس کو میں نے یہ سمجھایا کہ میرے بھائی تجھے نہ پروردگار نے اس کا مکلف کیا ہے نہ عقل اور فطرت اس کا مکلف کرتی ہے۔ تم جہاں پیدا ہوئے ہو تمہارا اس پر اطمینان ہے، بس عمل کرو، خدا قبول کرے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی اضطراب پیدا ہو تو اس کو لے کر اہل علم کے پاس چلے جاؤ لیکن جب کوئی مسیحی تمہارے پاس دعوت لے کر آ گیا ہے اور زیادہ بڑے حق کی بات کرتا ہے تو تب اس کی تحقیق کرو، یہ فکر عام آدمی میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ عام آدمی کو اگر کہیں کہ وہ کتابیں کھول کر بیٹھ جائے اور محقق بن جائے تو یہ ممکن نہیں ہے اور عام آدمی سے مطلب کوئی ریڑھی لگانے والا نہیں ہے، یہ ماہرین فن کے علاوہ کس کا یارا ہے کہ کرے لیکن نہیں، ہمارے بال سفید ہوگئے ہیں۔ آج بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ تمام چیزوں کو تحقیق کر کے جان رہے ہیں۔

سوال: (اہل حدیث عالم دین سے) آپ فرمایئے نسبت سے کیا مراد ہے۔

جواب: ایک تو استاد شاگرد کی نسبت ہے، اگر نسبت مکتبہ فکر کے طور پر اختیار کی جائے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ یہاں پیدا ہوتا ہے جب بڑے بڑے علماء بھی صحیح حدیث پر یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ ہمارے امام تک یہ حدیث ضرور...

پہنچی ہوگی۔ انہوں نے چونکہ نہیں لی لہٰذا اس پر ہم بھی عمل نہیں کر سکتے اور یہ حادثہ یہاں آتا ہے۔

(دانشور) امام ابوحنیفہ کے دونوں جلیل القدر شاگردوں نے اپنے استاد سے بہت سے معاملات میں اختلاف کیا۔

سوال: بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ شاگردوں نے اپنے استاد سے 75 فیصد اختلاف کیا۔

جواب: (دانشور) ان شاگردوں کے بعد جو جلیل القدر حنفی علماء پیدا ہوئے انہوں نے بھی بہت سے مسائل میں اختلاف کیا، اس میں آپ ابوبکر جصاصؒ کی مثال دے سکتے ہیں۔

(شیعہ عالم دین) میں بھی کہتا ہوں کہ ایک فطری، نظری اختلاف ہونا چاہئے لیکن آیا کیا یہ اختلافات اس زمانے میں ایسے تھے کہ اس کی وجہ سے ہم سماجی اور معاشرتی بنیاد پر ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن ہو جائیں، جس طرح کا مکالمہ یہ ہو رہا ہے یہ ہر فورم پر ہونا چاہئے۔ اگر آپ کی بات میرے یا میری آپ کی سمجھ نہیں آتی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ میں اس دائرے سے دوسرے کو خارج کر دوں۔ آج اس امر کی ضرورت ہے کہ اگر دوسرے کی بات درست ہے تو اسے قبول کر لو اور لچک ہونی چاہئے۔

(حنفی عالم دین) اس حوالے سے میری رائے اور تجزیہ یہ ہے کہ مقلدانہ ذہنیت نے جتنا نقصان پہنچایا ہے اس سے کم نقصان غیر مقلدانہ ذہنیت نے مسلمانوں کو نہیں پہنچایا۔ تقلید میں جمود کا غیر مقلدانہ ذہن رکھنے کا ایک ترجمان فقہی تقلید پر اصرار کرنے کا زیادہ شکار ہے۔ وہ تو چلو مفہوم حکم میں تقلید کرتے ہیں لیکن یہ تو ثبوت ماخذ میں تقلید کر رہا ہے، اس روش کو ترک کرنا ہوگا۔ میں اور آپ کے آئمہ جو چیز سوچتے ہیں وہ سو فیصد غلط یا سو فیصد صحیح ہوتی ہے اس میں راستہ یہ ہی ہے کہ تقلید کے کچھ حدود ہیں اور تقلید کی فطری ناگزیریت کو اور تقلید جو انسان کا ایک باطنی عرف ہے اس کی اس حیثیت کو نظر انداز کرنے کے عمل کو کوئی دینی شدت دینا بھی ایک معتبر رویہ ہے۔

(اہل حدیث عالم دین) مقلد کی ضد غیر مقلد نہیں ہے۔ بلکہ اجتہاد اور تحقیق ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے آپ کہیں کہ اندھیرے اور غیر اندھیرا، تقلید اگر اندھیرا ہے تو اس کے بالمقابل آپ اس کو غیر مقلدانہ کہہ کر تقلید سے ان کو بھی بالجبر وابستہ کر رہے ہیں۔ اس تقلید نے جو بڑا نقصان کیا وہ یہ کہ اس نے اُمت کو تقسیم کر دیا۔ ہم نے موتیوں کو پہلے کچرے میں ڈال دیا، پھر ہم کہیں کہ سارے کچرے کے ڈھیر کو ملایا جائے، تو موتی نکلیں گے تو پھر ملانے کی ضرورت کیا ہے۔ ایک مسئلہ جو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں حلال ہے، وہی امام شافعیؒ کے نزدیک حرام ہے۔ ایک امام کے نزدیک جائز ہے تو دوسرے امام کے نزدیک ناجائز ہے اور بعد میں آنے والوں نے تو اتنی موٹی موٹی کتابیں اس مسئلے پر بھری ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف اس قدر رشد و مد سے سب و شتم ہے کہ خدا کی پناہ اور یہ ہماری توانائی جو ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے پر صرف ہو رہی ہے اس کی بجائے اگر ہم وہیں سے دین لیں جہاں سے صحابہ کرامؓ نے لیا، تابعین نے لیا تو یہ اُمت ایک اُمت ہوگی۔

سوال: تقلید کی وجہ سے کیا اُمت بٹ نہیں گئی؟

بات وہیں رویوں پر آ کر ٹھہری ہے کہ ہم اگر اس چیز کو الگ الگ کر لیں کہ ایک عام آدمی کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے اور اہل علم کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے تو یہ مسئلہ سلجھ جائے گا۔ عام آدمی کسی عالم پر اعتماد کرتے ہوئے ہی مسئلہ پوچھتا ہے اس سے شیرازہ بندی رہتی ہے۔ اس کو مثبت انداز میں دیکھنا چاہئے جبکہ اگر کوئی شخص قرآن پاک کو کھول کر کسی بات کا جو مطلب اس کی سمجھ میں آئے اسے کسی سے پوچھے، سیاق و سباق معلوم کئے بغیر کوئی رائے قائم کر کے بیٹھ جائے تو یہ چیز انارکی کا باعث بنے گی۔

(اہل حدیث عالم دین) علماء نے عوام کو ڈرایا ہوا ہے کہ دوسرے مکتبہ فکر یا کسی اور عالم سے مسئلہ پوچھو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے ان کے قریب مت جانا، اصل خرابی کی جڑ یہ ہے۔

(دانشور) درحقیقت خرابی یہ ہے کہ آپ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کو کبھی یہ تعلیم نہیں دیتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اب ہم سب انسان ہیں، ہم غلطی کر سکتے ہیں۔ ہم اپنی تحقیقات کے بعد آپ کو جو بات بتا رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی کوتاہی ہو، اس لئے کسی دوسرے صاحب علم کی بات بھی سن لو۔

(بشکریہ: روزنامہ "خبریں")

## بقیہ: اداریہ

میں اپنی اوٹ پٹانگ پالیسیوں کی وجہ سے جگ ہنسائی کا موجب بن رہے ہیں۔ مسلمانان پاکستان جب تک اپنے اجتماعی جرائم کا کفارہ ادا کرنے کی خاطر اجتماعی توبہ اور ملک میں دین حق کے قیام و نفاذ کی طرف سنجیدگی سے قدم نہیں بڑھائیں گے کمزور و ناتواں رہیں گے اور امریکہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے ساتھ ساتھ بزدل بھارتی بنئے کے سامنے بھی بے بسی و لاچاری کی تصویر بنے رہیں گے۔ اللہ کی مدد حاصل کئے بغیر ہماری حقیقت خس و خاشاک سے زیادہ نہیں۔ کاش ہم مسلمانان پاکستان اور ہمارے حکمران یو این او، عالمی بینک، عالمی عدالت انصاف سے توقعات وابستہ کرنے کی بجائے اللہ کا دامن تھامنے کا عزم مصمم کریں اور اس کے لئے عملی قدم اٹھانے کی ہمت کریں، اگر ایسا ہو گیا تو عالمی شیطانی قوتیں ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی۔

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہے مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے!

## بقیہ: منبر و محراب

نصیحت کرتا ہے تاکہ تم اس نصیحت سے فائدہ اٹھاؤ"۔ یہ ساری باتیں اس لئے بیان نہیں کی گئی ہیں کہ انہیں ایک کان سے سنو اور دوسرے سے نکال دو، یا ان کو محض اجر و ثواب کے لئے پڑھ لو بلکہ ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ جن کاموں سے روکا گیا' ان سے رک جاؤ اور جن کو کرنے کا حکم دیا گیا' ان کو انجام دو۔ اگر مسلمان ہو تو یہ لازمی تقاضا ہے۔

☆اُذْكُرُوا اللّٰهَ يَذْكُرْكُمْ وَادْعُوْهُ يَسْتَجِبْ لَكُمْ: "تم اللہ کو یاد رکھو وہ تمہیں یاد رکھے گا' اور تم اس سے دعا کرو وہ تمہاری دعا قبول کرے گا"۔ اللہ کو یاد رکھنا یہ بھی ہے کہ زبان سے اللہ کا ذکر ہو اور ایک شکل یہ ہے کہ ہر وقت اس بات کا خیال رہے کہ کہیں اللہ کا کوئی حکم تو نہیں ٹوٹ رہا۔ جب تم ایسا کرو گے تو اللہ بھی تمہیں بے کس و بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

☆وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَاَهَمُّ وَاَكْبَرُ: "اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کا ذکر سب سے بلند' سب سے مقدم' سب سے اہم اور سب سے بڑا ہے"۔

☆وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ: "اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے"۔

الحمدللہ کہ خطبہ جمعہ کا ترجمہ مکمل ہو گیا۔ اس خطبے کے ذریعے سے جو ہدایت اور موعظت ہمارے سامنے آئی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو اس کے مطابق استوار کر سکیں۔ آمین! (ملخص: محمد خلیق)

# خلافت کانفرنس

سید قاسم محمود

دسمبر 1919ء میں مسلم لیگ اور نیشنل کانگریس کے اجلاس امرتسر میں منعقد ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی خلافت کانفرنس کا دوسرا اجلاس اور جمعیۃ العلمائے ہند کا پہلا جلسہ' ٹھیک اُنہی دنوں میں مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات منظور ہوئیں اور اس تقریب میں سیاسی نظر بند رہا کیے گئے۔ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی' بیتول جیل سے نکل کر سیدھے امرتسر پہنچے۔ ہندو اور مسلمان لیڈروں کے درمیان' دوسرے مسائل کے ساتھ خلافت کے مسئلے پر گفتگو ہوئی۔

خلافت کانفرنس کے اجلاس میں سلطان ترکیہ کے ساتھ بہ حیثیت "خلیفۃ المسلمین" اظہار عقیدت کیا گیا۔ یہ قرار پایا کہ 5 جنوری 1920ء تک مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب کے متعلق مسلمانوں کے مطالبات پیش کرنے کے لئے ایک وفد انگلستان بھیجا جائے' مولانا محمد علی اس کے قائد ہوں۔ "خلافت فنڈ" قائم کیا جائے اور اس کے لئے دس لاکھ روپیہ جمع ہو۔

اس وفد کے انگلستان جانے سے قبل ایک دوسرا وفد 19 جنوری 1920ء کو وائسرائے سے ملا' جس کے ارکان یہ حضرات تھے: گاندھی جی' سیٹھ چھوٹانی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا ابوالکلام آزاد' مفتی کفایت اللہ' مولانا حسرت موہانی' سید حسین' ایڈیٹر "انڈیپنڈنٹ" (الہ آباد) مولانا عبدالباری فرنگی محلی' حکیم اجمل خان' ڈاکٹر سیف الدین کچلو' ڈاکٹر مختار احمد انصاری' مولانا محمد علی جوہر' مولانا عبدالماجد بدایونی' سید ظہور احمد سیکرٹری مسلم لیگ' مولانا فاخر الہ آبادی' مولانا سید سلیمان ندوی' آغا محمد اشرف قزلباش' راجہ صاحب محمود آباد' پنڈت موتی لال نہرو اور محمد علی جناح۔ وفد کے قائد ڈاکٹر مختار احمد انصاری تھے۔ پنڈت موتی لال نہرو اور مسٹر جناح وقت پر نہ پہنچ سکے' مگر دونوں نے تار کے ذریعے اپنا اتفاق رائے ظاہر کیا۔

## وائسرائے سے وفد کا مطالبہ

وفد کا خطاب مولانا محمد علی نے لکھا تھا۔ اس میں سلطنت ترکیہ کی سالمیت اور خلیفہ کی حیثیت سے سلطان ترکیہ کی حاکمیت برقرار رکھنے کی ضرورت پر اصرار کیا گیا اور یہ جتایا گیا کہ یہ اسلام کا عین تقاضا ہے کہ دینی اور دنیاوی حیثیت سے خلافت کا وجود مسلسل قائم رہے۔

وفد کے خطاب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ: "اگر حکومت برطانیہ نے اپنے تمام وعدے حرف بہ حرف پورے نہ کئے تو اس کو ایسا دھچکا لگے گا کہ بڑے سے بڑے زرخیز علاقے اور عظیم ترین سیاسی منافع سے اُس کی تلافی نہ ہو سکے گی اور پھر اخلاقی وقار کی بربادی اس وجہ سے اس کو اور بھی زیادہ گراں گزرے گی کہ اُس اعلانِ شاہی کی قلعی کھل جائے گی جو حضور والا کے پیش رو وائسرائے نے ترکیہ سے جنگ شروع ہونے پر کیا تھا"۔

## خلافت کانفرنس کا تیسرا اجلاس

وائسرائے کا جواب مایوس کن تھا۔ اس پر مسلمان لیڈروں نے ایک بیان شائع کیا' جس میں کہا گیا کہ اگر معاہدۂ صلح کی شرائط مسلمانوں کے مذہب اور جذبات کے خلاف ہوئیں تو حکومتِ برطانیہ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری اس کا تحمل نہ کر سکے گی اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ جزیرۃ العرب اُن حدود کے ساتھ جو اسلامی روایات کی رو سے معین ہیں' اور اسلام کے بعض مقدس مقامات خلیفہ کے اختیار اور انتظام میں رہنے چاہئیں اور وہ تمام وعدے پورے کیے جائیں جو مسلمانوں سے وزیراعظم برطانیہ نے کیے ہیں۔

خلافت کانفرنس کا تیسرا اجلاس فروری 1920ء میں بمقام بمبئی منعقد ہوا تاکہ مجوزہ وفد کو نیابت کا اختیار دے کر رخصت کرے۔ بمبئی کے جلسۂ خلافت میں وفد پر اظہار اعتماد کی قرارداد منظور ہوئی۔ ایک نہایت اہم اور مفصل بیان شائع کیا گیا' جس میں مسلمانانِ ہند کے مطالبات ضابطے کے ساتھ معین کیے گئے اور مندرجۂ ذیل الفاظ میں حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا گیا:

"اس مطالبے میں اگر کوئی کمی کی گئی تو اس سے نہ صرف مسلمانوں کے عمیق ترین مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچے گا' بلکہ ان اعلانات اور مواعید کی بھی بدیہی بے حرمتی اور خلاف ورزی ہوگی جو اتحادی اور اُن کے حلیف ممالک کے نمائندے سیاسی رہنماؤں نے اُس وقت کیے تھے جب وہ مسلمان قوم اور مسلمان فوجیوں کی تائید حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہ مطالبہ صرف مسلمانوں ہی کا نہیں ہے' بلکہ ملک کی پوری ہندو آبادی اس میں اُن کے ساتھ شریک ہے۔ اگر غلط فیصلہ کیا گیا تو نتائج اچھے نہ ہوں گے"۔

## وزیراعظم برطانیہ کا مایوس کن جواب

فرانس' امریکا اور انگلستان کے اخبارات ترکوں کے خلاف بہت سخت لکھ رہے تھے۔ ان کا تقاضا تھا کہ مشرق کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے طے کر دیا جائے۔ انگلستان اور امریکا کے بااثر سیاسی حلقے اس پر مُصر تھے کہ ترکوں کو قسطنطنیہ سے نکالا جائے اور ترکی کے ٹکڑے کر کے اس کو چوتھے درجے کی چھوٹی سی ریاست بنا دیا جائے اور یہ تقاضے بھی اُن اخبارات اور سیاسی حلقوں نے اپنے دل سے پیدا نہیں کئے تھے' بلکہ اتحادیوں کے ساتھ فیصلوں کی تائید میں تھے۔ انگلستان' فرانس اور روس 1915ء میں اس معاہدے پر دستخط کر چکے تھے کہ درہ دانیال اور باسفورس روس کو دیئے جائیں گے۔ قسطنطنیہ اتحادیوں کے تجارتی جہازوں کے لئے آزاد بندرگاہ ہوگا اور مقامات مقدسہ ترکوں سے لے کر آزاد عرب ریاست کے حوالے کئے جائیں گے۔ اسی بنیاد پر شریف حسین (مکہ کے گورنر) اور اتحادیوں کے درمیان معاملہ ہوا۔ اور یہ معاملہ ترکوں کے جنگ میں شریک ہونے سے قبل ہی ہو چکا تھا۔ اس معاہدے کا نام معاہدۂ قسطنطنیہ تھا۔ اتحادیوں کی بڑی خواہش تھی کہ اٹلی اُن کے حلیف کی حیثیت سے جنگ میں شریک ہو۔ اٹلی کو لالچ دینے کے لئے 1915ء میں "لندن پیکٹ" کیا گیا' جس میں وعدہ تھا کہ عدلیہ اٹلی کو ملے گا۔ پھر سینٹ جین دیومورین نے معاہدے میں ایشیائے کوچک اور سمرنا بھی اٹلی کے لئے مخصوص کر دیئے گئے۔ مئی 1916ء میں روس' انگلستان' فرانس اور اٹلی کے درمیان "سائکس پیکٹ" ہوا۔ اس کا مقصد عرب ممالک پر یورپی تسلط تھا۔ لہٰذا یہ عربوں کے ساتھ بدعہدی تھی۔ اس معاہدے کو عربوں سے مخفی رکھا گیا۔ ان سب معاہدات کی موجودگی میں مسلمانانِ ہند کی یہ توقع عبث تھی کہ برطانیہ اُن کی خواہشات اور تمناؤں کا لحاظ کرے گا' مگر اسی برطانیہ نے مسلمانان ہند سے بھی تو وعدے کئے تھے۔ اس لئے انہوں نے ضروری سمجھا کہ ہندوستانی رائے عامہ کا پورا دباؤ ڈالیں۔ برطانیہ کو بہرحال کسی نہ کسی کے ساتھ بدعہدی اور وعدہ شکنی کرنی ہے۔

## خلافت کانفرنس کے وفد کی روانگی

امرتسر کے اجلاس کے فیصلے کے مطابق اوائل مارچ 1920ء میں خلافت کا وفد انگلستان روانہ ہوا۔ مولانا سید سلیمان ندوی' سید حسین' ایڈیٹر اخبار "انڈی پنڈنٹ" الہ آباد'

حسن محمد حیات اور مولانا محمد علی جوہر ہندوستان سے گئے۔ مولوی ابوالقاسم، شیخ منیر حسین قدوائی، محمد شعیب قریشی اور عبدالرحمٰن صدیقی جو پہلے سے انگلستان میں تھے، وہیں وفد میں شریک ہو گئے۔ حسن محمد حیات وفد کے سیکرٹری تھے۔

وزیر ہند کی طرف سے مسٹر فشر نے وفد سے ملاقات کی۔ اس کے بعد وفد وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج سے ملا۔ مولانا محمد علی نے بڑی متانت اور بے باکی سے مسلمانوں کے مطالبات پیش کئے۔ لیکن جب نفرت و عداوت سے دل کج ہو گیا ہو اور نخوت کی چربی آنکھوں پر چھائی ہوئی ہو تو حق، انصاف اور معقولیت سب کے لئے دل اور چہرے کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ لائڈ جارج نے کہا:

''ترکوں کے ساتھ ان سے مختلف اصولوں پر معاملہ نہیں کیا جا سکتا' جو مسیحی ملکوں کے ساتھ برتے گئے ہیں۔ ترکیہ کو ترکی سرزمین پر دنیوی اختیار برتنے کی اجازت ہوگی' مگر وہ علاقے اس کے قبضے میں نہیں چھوڑے جائیں گے جو ترکی نہیں ہیں''۔

وزیر اعظم برطانیہ نے مسلمانانِ ہند کے مطالبات منظور کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ یہ انکار برطانیہ کے وعدوں اور اعلانوں کے ایفا سے صاف انکار تھا۔ مسلمانانِ ہند کی نظر میں برطانیہ کی کوئی وقعت نہ رہی۔ خلافت کمیٹی نے اعلان کیا کہ 19 مارچ 1920ء کو ہندوستان میں لائڈ جارج کے جواب پر ''یوم سیاہ'' منایا جائے۔ مسلمان روزہ رکھیں' دعائیں کریں اور عام ہڑتال کریں۔

مولانا شوکت علی نے 19 مارچ کے جلسوں کے لئے ایک قرارداد شائع کی' جس کا مفہوم یہ تھا کہ اگر صلح کی شرائط قابل قبول نہ ہوئیں تو مسلمان اس پر مجبور ہوں گے کہ تاج برطانیہ سے اپنا رشتۂ وفاداری منقطع کر لیں۔ اس کے جواب میں حکومت ہند کی طرف سے یہ اعلان شائع ہوا کہ 19 مارچ کے جلسوں اور تقریبات میں کوئی سرکاری ملازم شریک نہ ہو۔ امرتسر میں خلافت کانفرنس اور کانگریس کے اجلاسوں کے موقع پر یہ طے ہو چکا تھا کہ اگر مشترکہ تحریک چلانے کی نوبت آئی تو مسٹر گاندھی اس کی قیادت کریں گے۔ وزیر اعظم برطانیہ لائڈ جارج کے مایوس کن جواب کے بعد گاندھی جی نے یہ اعلان کیا کہ اگر ترکیہ کو ایسی شرائط پر صلح کرنے کے لئے مجبور کیا گیا جو مسلمانانِ ہند کے جذبات کے مطابق نہ ہوئیں' تو میں عدمِ تعاون کی تحریک چلاؤں گا۔

10 مارچ کو گاندھی جی نے ایک منشور میں عدم تعاون کے متعلق اپنے منصوبے ظاہر کئے جو ذیل میں درج ہیں:

''اب اس کے متعلق ایک بات کہنی ہے کہ اگر مطالبات پورے نہ ہوئے تو کیا کیا جائے۔ جنگ وحشیانہ طریقہ ہے' وہ کھلی ہوئی ہو یا مخفی۔ اس کو خیال سے دور کرنا چاہئے۔ خواہ اسی وجہ سے کہ وہ ناقابلِ عمل ہے۔ اگر میں ہر ایک کو یہ سمجھا سکوں کہ جنگ ہمیشہ بری چیز ہے تو ہم تمام جائز مقاصد بہت جلد حاصل کر لیں گے۔ وہ فرد ہو یا قوم' تشدد ترک کر کے اس میں جو طاقت پیدا ہو جاتی ہے' وہ ایسی ہوتی ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر آج تشدد کے خلاف میرا استدلال خالص ضرورت کی بنا پر ہے' اس لئے بالکل بے کار ہے۔ لہٰذا جو ایک واحد علاج ہمارے لئے باقی رہ گیا ہے' وہ عدم تعاون ہے۔ یہ بالکل صاف علاج ہے کیونکہ اگر یہ تشدد سے بالکل پاک ہو تو نہایت موثر ہے۔ جب تعاون تنزل اور ذلت کا باعث ہو یا کسی کے عزیز ترین مذہبی جذبات مجروح ہوں' تو عدم تعاون فرض ہو جاتا ہے۔ انگلستان ہم سے یہ توقع نہیں کر سکتا کہ اس کی طرف سے ان حلقوں کے غیر منصفانہ غصب اور قبضے کو ہم عاجزی کے ساتھ قبول کر لیں گے' جو مسلمانوں کے لئے زندگی اور موت کا معاملہ ہیں اس لئے ہم اوپر سے بھی شروع کر سکتے ہیں اور نیچے سے بھی۔ جو عزت یا تنخواہ کے مناصب پر فائز ہیں' اُن کو چاہئے کہ وہ ترک کر دیں۔ جو حکومت کے ماتحت ادنیٰ ملازمتیں کر رہے ہیں' اُن کو بھی یہی کرنا چاہئے۔ افراد کی نجی ملازمت پر عدمِ تعاون عائد نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کے خلاف' جو عدم تعاون بطور علاج قبول نہ کریں' میں ذات برادری سے خارج کرنے کی دھمکی منظور نہیں کر سکتا۔ عوامی احساس اور بے اطمینانی کی واقعی آزمائش یہ ہے کہ لوگ خوشی سے عدم تعاون کریں۔ سپاہیوں کو یہ مشورہ کہ وہ خدمت سے انکار کر دیں' قبل از وقت ہے' یہ آخری تدبیر ہے' پہلی نہیں۔ ہم یہ تدبیر اختیار کرنے کے حق دار اس وقت ہوں گے جب وائسرائے' وزیر ہند وزیر اعظم ہمیں چھوڑ دیں گے۔ علاوہ ازیں عدم تعاون کرنے میں ہر قدم پر بڑی احتیاط سے غور وفکر کرنا چاہئے۔ ہم کو آہستہ آہستہ آگے بڑھنا ہے' تاکہ سخت سے سخت اشتعال کی حالت میں بھی ہم اپنے نفس پر قابو رکھ سکیں۔

## معاہدہ سیورے

خلافت کا وفد وزیر اعظم سے ملاقات کرنے کے بعد انگلستان کے سیاسی رہنماؤں سے ملا۔ اس نے جلسے کئے۔ وفد کے قائد کی حیثیت سے مولانا محمد علی جوہر نے ایک تقریر پیرس (فرانس) میں کی اور کئی تقریریں انگلستان میں۔ اس طرح وفدِ خلافت نے اتحادیوں کو اور تمام یورپی اقوام کو مسلمانوں کے نقطۂ نظر اور مطالبات سے اچھی طرح آگاہ کر دیا اور ایسے دلائل کے ساتھ کہ اگر فیصلے میں انصاف کا دخل ہوتا اور مسلمانانِ ہند کا دعویٰ اور مطالبہ مانا جاتا' مگر ایک جنگ میدان میں ہوئی تھی اور دوسری صلح کانفرنس میں ہو رہی تھی۔ دونوں جگہ زبردستی کی فتح تھی۔ اس لئے وفد کو ناکامی ہوئی۔

وفد ابھی انگلستان ہی میں تھا کہ اتحادیوں کے نمائندے بمقام سان ریمو (پیرس) میں جمع ہوئے اور انہوں نے ترکیہ کے لئے معاہدے کی شرائط مرتب کیں۔ اس کا نام ''معاہدہ سیورے'' مشہور ہے۔ وہ شرائط یہ تھیں:

1) سلطان اتحادیوں کی حمایت و تائید کے ساتھ قسطنطنیہ میں حکومت کرے گا۔

2) اتحادیوں کو یہ حق ہوگا کہ آبناؤں پر قبضہ کر لیں' اور یہ بھی کہ ایشیائی ترکیہ کے کسی حصے پر قابض ہو جائیں۔

3) آرمینیا کی ایک نئی ریاست قائم کی جائے گی جس میں مندرجہ ذیل صوبے شامل ہوں گے: مشرقی اناطولیہ' ارض روم' وان' بتلس' ترابزون' ارزنجان۔ اس ریاست کی حدود ریاست ہائے متحدہ امریکا کی مدد سے قائم کی جائیں گی۔

4) ترکیہ عرب کے متعلق اپنے تمام دعوؤں سے دست بردار ہوگا۔

5) شام کی حکم برداری فرانس کو' عراق اور اردن کی برطانیہ کو دی جائے گی۔ عدلیہ اٹلی کو' سمرنا اور مغربی اناطولیہ یونان کو۔

اس متعصبانہ ذلیل اور منتقمانہ صلح نامے کے خلاف تمام دنیا کے مسلمانوں نے نفرت اور غصے کا اظہار کیا' حتیٰ کہ اس سلطانِ ترکیہ کی حکومت بھی احتجاج کئے بغیر نہ رہی' جو اتحادیوں کی توپوں اور بندوقوں کے حصار میں لاچاری اور مجبوری کے ساتھ ترکی اور اسلامی روایات کو بدنام کر رہا تھا۔ اس حکومت نے احتجاج کیا' مگر وہ پھر برطانیہ اور دوسری یورپی طاقتوں کے دباؤ سے 10 اگست 1920ء کو ''معاہدہ سیورے'' پر دستخط کے لئے مجبور ہوئی۔ (جاری ہے)


ندائے خلافت

کا

**مسئلہ کشمیر نمبر**

ندائے خلافت کے زیر اہتمام گزشتہ سال اگست میں **مسئلہ کشمیر نمبر** شائع کیا گیا تھا۔ یوم کشمیر کے موقع پر یہ محدود تعداد میں 20 روپے کی رعایتی قیمت پر دستیاب ہے۔

اپنے آرڈر ''مکتبہ خدام القرآن'' کے نام ارسال کریں۔

# آیئے فیصلہ کریں: غلامی یا آزادی؟

## اشرف وصی

ہر چند اُمت مسلمہ کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ ہماری جنگ چند سر پھرے جنونیوں' انتہا پسندوں' شر پسندوں کے خلاف ہے جنہوں نے عالمی امن کو تہ و بالا کر رکھا ہے۔ ان سے نجات حاصل کرنا گویا کہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔ جبکہ حقیقت حال مختلف ہے۔ اس وقت معرکہ دو تہذیبوں کے درمیان ہے ایک تہذیب کہتی ہے کہ ہم آزاد ہیں' اپنی مرضی کے مالک' یا مادر پدر آزاد شتر بے مہار ہیں۔ وسائل کا استعمال اور ان پر بزور طاقت قبضہ ہمارا حق ہے۔ کوئی ہماری ہم سری کے لائق نہیں کیونکہ طاقت ہی اصل حق ہے جو کچھ اس دنیا میں ہوگا اسی بنیاد پر ہوگا اور وہ ہمارے پاس ہے۔

دوسری تہذیب یہ کہتی ہے ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے غلام ہیں جو جانی' مالی' ذہنی وسائل ہمارے پاس ہیں بطور امانت ہیں' ہم اللہ کے غلام ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں' تمام انسان برابر ہیں کسی کو کسی پر رنگ' نسل' علاقے' زبان کی بنیاد پر برتری نہیں' ماسوائے اعمال و کارکردگی کے۔

جو معروف (اللہ اور رسول کا حکم) ہے وہ ٹھیک ہے' حق ہے اور حق طاقت ہے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی پر نظر رکھو۔ اگر حق رہ بھی گیا تو آخرت میں تلافی ہوگی اور نہ ماننے والوں کا تصور۔ جو کچھ حاصل کرلیا ہے وہی اپنا ہے' ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔ امیر ہیں تو دوسرے کو حقیر و فقیر' طاقت ور ہیں تو دوسرے کیڑے مکوڑے' عقل مند ہیں تو دوسرے کو حیوان' جانور سمجھتے ہیں۔

غلام جو کچھ کرتا ہے' اللہ کے حکم اور طریق نبویؐ پر کرتا ہے' وہ اپنی دولت' عقل' دانائی' مہارت' قوت اللہ کی رضا اور انسانیت کی فلاح و بھلائی کے لئے کرتا ہے۔ انسان کو انسان کی غلامی سے نکال کر اللہ اور اُس کے رسول کی غلامی میں لانا چاہتا ہے۔ جبکہ اللہ کے باغی ساری محنت اپنے ذاتی' گروہی' تجارتی مفاد کے لئے کرتے ہیں' اپنے علاوہ دوسرے اُن کو حیوان' کیڑے مکوڑے محتاج نظر آتے ہیں۔ اُن سے فائدہ اٹھانا یہ اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔

دنیا پرستوں نے انسانیت کو لوٹنے کا جو سیاسی' معاشی سماجی انداز زندگی' یا نظام حیات بنایا ہے وہ نہیں چاہتے کہ کسی طور پر اُن کے اس طرز زندگی کو کسی قسم کا نقصان یا چیلنج ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے انسان بھی اللہ کی غلامی سے نکل کر اُن کی غلامی میں آ جائیں اور جنہیں یہ قبول نہیں وہ ہمیں قبول نہیں۔ سب لوگ اُن کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں' وگرنہ اُنہیں کھنڈرات کی زندگی میں دھکیل دیا جائے گا۔ جو مخالفت کرے گا اُس کے لئے حلقہ زندگی تنگ کر دیا جائے گا۔

اس وقت زمینی حالات ایسے ہیں کہ مکی دور میں تو مسلمانوں پر سختیاں' مصیبتیں' تنگیاں' تکلیفیں ناقابل برداشت ہو رہی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حبشہ چلے جاؤ' وہاں کا حکمران نیک دل اور عادل ہے۔ کچھ وقت امن سے گزر جائے گا جب حالات ٹھیک ہو جائیں تو واپس آ جانا' لیکن آج کوئی حبشہ نہیں۔ مدنی دور میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ سے میثاق مدینہ کرلیا تھا' منافقین اور رئیس منافقین عبداللہ ابن ابی کے ہوتے ہوئے بھی وہ اُحد کے میدان سے 300 منافقوں کو تو واپس لے جانے کے علاوہ کوئی ناقابل برداشت نقصان نہ پہنچا سکے۔

لیکن آج زمام کار اُن کے ہاتھ میں ہے جو مشرکین سے ملے ہوئے ہیں۔ بلکہ مشرکین سے زیادہ اہل ایمان کے لئے عذاب بن کر گر رہے ہیں۔ بقول شاعر

یوں ہی نہیں گر رہی ہمارے آشیانوں پہ بجلیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے خلاف جو کارروائیاں کرتے ہیں ان کے کہنے کے مطابق مسلمانوں میں چار قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں' بنیاد پرست' حقیقی مسلمان' جو کہتے ہیں جان جاتی ہے تو جائے دین کی مصلحت اُن کے لئے مقدم ہے۔ دوسرے روایتی دین دار' جن کے لئے نماز روزہ' حج زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اضافی نیکیاں کافی ہیں۔ تیسرے ماڈریٹ' نام نہاد مسلمان' اندر سے من مانی' خواہش پسندی' نفس پرستی کا شکار ہیں' حسب ضرورت اسلامی احکام کی تاویل و تحریف کو اپنا حق سمجھتے ہیں اور دین کی تعبیر نو کر رہے ہیں تاکہ دنیا کے ساتھ موافقت بھی رہے اور دین کا لیبل بھی قائم رہے۔ چوتھے سیکولر جو خود صاف اعلان کرتے ہیں کہ ہم اسلام کو صرف عقائد اور عبادت کی حد تک ذاتی زندگی کا مذہب سمجھتے ہیں اور اجتماعی زندگی تو اکثریت کے فیصلوں کے مطابق ہونی چاہئے۔

یہود و نصاریٰ کی کوشش جاری ہے کہ نام نہاد ماڈریٹ مسلمانوں اور لادین سیکولر مسلمانوں کو ملا کر اُن کے ذریعے اُمت کی سوچ اور اپروچ پر قبضہ کیا جائے اور اُن کے ذہن سے حقیقی اسلام نکال دیا جائے۔ ان کو دبایا جائے' مارا جائے تاکہ کوئی اُن کی سودی معیشت' من چاہی حکمرانی اور بے حیائی کے نظام کو چیلنج نہ کر سکے۔ طبرانی میں فرمانِ رسالت کچھ اس طرح آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''مسلمانو اسلام کی چکی چل رہی ہے' جہاں جائے اس کے ساتھ گھومو' دیکھو ایک وقت آئے گا کہ جب قرآن اور اقتدار الگ الگ ہو جائیں گے' حکمران اپنے احکام جاری کریں گے' اگر ان کے قوانین پر عمل کیا تو تمہاری آخرت برباد ہو جائے گی' اگر ان کی نہ مانی تو تمہیں قتل کریں گے' تو صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ ہم اس حالت میں کیا کریں' تو آپؐ نے فرمایا وہی جو کچھ حضرت یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کے حواریوں نے کیا۔ گردن کٹ گئی' سولی چڑھ گئے' آرے چل گئے' آگ میں جل گئے' آہنی کنگھیوں سے جسم نوچا گیا' لیکن دین پر قائم رہے۔ دیکھو اللہ کی اطاعت میں جان دینا' معصیت کی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔'' روشن خیال حکمران کہتے ہیں جو ہم اسلام کا حلیہ بگاڑ رہے ہیں قبول کرو' وگرنہ چپ رہو جو بولے گا اس کا جینا حرام کر دیں گے اور اُنہیں نشانِ عبرت بنا دیں گے۔

چودہ سو سال پہلے کا اسلام قابل عمل نہیں اور ہمارے مسائل کا حل نہیں دیتا۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں آج یہی اسلام ہے اور عوام بھی یہی چاہتی ہے۔ ان حالات میں کرنے کا کام؟ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلامی نظام کا قیام انتخابات میں حصہ لے کر ممکن ہے۔ گو کہ تاریخ انسانی اس مؤقف کی تائید نہیں کرتی۔ پاکستان' ترکی' الجزائر کے ماضی قریب کے حالات اس حوالے گواہ ہیں کہ اسلامی انقلاب بذریعہ انتخاب ناممکن نہیں تو محال ضرور ہیں۔ ترکی میں اسلامی جماعت اکثریت حاصل کرنے کے باوجود کچھ نہ کر سکے۔ جبکہ الجزائر میں بھاری اکثریت کے باوجود اقتدار سے محرومی رہی۔ پھر بھی یہ دین پسند قوتیں اسی راستے کو پسند کرتی ہیں۔ کچھ لوگ تبلیغ دین کے ذریعے ماحول کی تبدیلی کے لئے افراد کی تیاری کو کافی سمجھتے ہیں کہ جب اکثریت دین دار اور دین پسند ہو جائے گی تو اسلام خود بخود آ جائے گا۔ ہمارے نزدیک ماحول بھی دو قسم کے ہیں' ایک انفرادی' ذاتی' گھریلو ماحول اور دوسرا بیرونی ماحول جس کا تعلق اجتماعی حکومتی نظام سیاست' معیشت و معاشرت سے ہے۔ جو اُس وقت تک بدلنا ممکن نہیں جب تک ایوان

اقتدار میں قوت کے ساتھ تبدیلی پیدا نہ کر دی جائے۔

ہمارے نزدیک اسلامی انقلاب کا واحد ذریعہ اسلامی انقلابی جماعت کے ذریعے ہی ممکن ہے جو پہلے اپنی ذات اور گھر پر اسلام نافذ کر کے پھر پورے وطن میں گلی گلی کوچے کوچے قریہ قریہ گاؤں گاؤں' ہر محلہ میں بھرپور انداز میں دعوت دی جائے کہ حقیقی اسلام کیا ہے؟ وہ کس طرح سیرت نبویؐ کے مطابق قائم ہوگا' اس کام کے لئے کس قسم کے لوگ درکار ہیں۔ عوام الناس کو اس سے کس طرح امن و شانتی' عدل و انصاف معاشی استحکام مہیا ہوگا۔ اس دعوت کو جو قبول کریں ان کو منظم کیا جائے۔ تربیت کے مراحل سے گزارا جائے۔ جب تک قابل بھروسا تعداد' کمیت و کیفیت جس سے انقلاب برپا کرنے کا قوی امکان حاصل نہ ہو یہ ہی دعوت' جماعت سازی و تربیت کا کام کرتی رہے رد عمل میں کسی قسم کی بھی تکلیف' رکاوٹ' زیادتی ہو برداشت کرتے ہوئے اپنے کام میں ڈٹی رہے۔

اس کے باوجود ہمارا مشورہ ہے کہ ایک کام باہمی طور پر دین کی خیر خواہی میں اتحاد' اتفاق و اخلاص کے ذریعے ممکن ہے وہ ہے دعوت و تبلیغ و تربیت کا عمل۔ شعور کی بیداری کا عمل جو تینوں طریقوں میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ آئیں مل کر یہ دعوتی' تبلیغی عمل کریں۔ اگر دعوت و محنت یہ بتائے' محسوس ہو کہ اب انتخابات کے ذریعے تبدیلی ممکن ہے تو جو چاہے انتخابات میں حصہ لے۔ یہ دعوتی کام ان کو ووٹ کے حصول میں مددگار ہوگا۔ جبکہ یہی عمل تبلیغی مقاصد کے حصول کے لئے بھی مفید ہوگا۔ اور جب انقلابی جماعت سمجھے کہ اب کال دی جاسکتی ہے۔ پُر امن احتجاج' سول نافرمانی' سسٹم بلاک' پہیہ جام کے ذریعے حکمرانوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور کوئی حکمران یہ نہ کہہ سکے کہ یہ چند لوگ ہیں۔ عوام ان کے ساتھ نہیں۔ اس لئے حکومت کرنے کا حق میرا اور میرے ہم نواؤں کا ہے۔ اکثریت میرے ساتھ ہے۔ اس وقت تک تو یہ ہی کام کرنا ہے' اور کرتے رہنا ہے کیونکہ دین اسلام کے قیام کے لئے اپنے تن من دھن' قوتوں اور صلاحیتوں کے ذریعے اخلاص و خلوص کے ساتھ محنت کرنا ہمارا فرض ہے۔ انقلاب برپا کرنا ہماری ذمہ داری نہیں۔ آج کی پکار ہے کہ کہاں ہیں غازی علم دین' عاشقانِ اسلام' محبان رسالت' پاسبان ناموس رسالت' اہل بیت و صحابہ' خدام دین' شہادت کے طلب گار' اسلام تمہیں پکار رہا ہے کہ تمہاری غیرت کو کیا ہوگیا ہے' اُٹھو' ثابت کرو کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے غلام ہیں۔ مندرجہ بالا میں سے جس جماعت کا طریقہ کار آپ کو پسند ہے اُس میں شامل ہو کر ثابت کریں کہ ہم غیر اللہ کی حکمرانی' بے حیائی' فحاشی' سود' جوئے سٹے سے بیزار ہیں۔ ہم من چاہی نہیں' رب چاہی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ نہ ہمیں غیروں کی تہذیب چاہیے اور نہ غیر اللہ کی حکمرانی۔

## پریس ریلیز

[illegible]

یورپ خصوصاً سکنڈے نیوین ممالک میں آج کفالت عامہ' انسانی مساوات اور قانون کی حکمرانی کا جو تصور پایا جاتا ہے اُسے بلند ترین سطح پر تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ نبیؐ نے روشناس کرایا اور اس کا عملی نمونہ دنیا نے دورِ خلافت راشدہ میں دیکھا اور جسے دنیا میں قائم کرنا اور قائم رکھنا ہر مسلمان کا اولین اور اہم ترین دینی فریضہ ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی سے انحراف ہی درحقیقت دنیا میں ہماری ذلت و رسوائی کا اصل سبب ہے اور ہم پر شرک اور جہالت کا بدترین نظام مسلط ہے۔ یہ بات ڈاکٹر اسرار احمد صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے آج قرآن آڈیٹوریم میں ہفتہ وار درس قرآن کے اختتام پر ایک سوال کے جواب میں کہی۔ اس سے قبل سورۃ النساء کے درس کے دوران جہاد سے متعلق بعض مغالطوں کے ضمن میں انہوں نے کہا کہ قرآن و سنت کی رو سے ہم پر جو جہاد فرض کیا گیا ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جس کا آخری درجہ قتال فی سبیل اللہ ہے' یعنی اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے جہاد۔ سورۃ النساء کی آیت 74 میں ''مغلوب مردوں' عورتوں اور بچوں کی مدد کرنے'' کا جو فرمایا گیا ہے اسی قتال فی سبیل اللہ کی ایک کڑی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ''جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی تین ممکنہ صورتیں ہیں یعنی (1) کسی ملک میں اسلام کا حقیقی عادلانہ نظام قائم ہے اور دنیا پر اس کا عملی نمونہ دکھا کر حجت قائم کر دی گئی ہے تو اس ملک کے سربراہ کی سرکردگی میں دنیا کے باقی حصوں میں ظلم اور استحصال کے خاتمہ کے لئے جہاد اور قتال فی سبیل اللہ ہوگا' مگر اس کا مقصد اپنی ایمپائر قائم کرنا نہیں ہوگا۔ (2) اگر ایسی کسی حقیقی اسلامی ریاست پر بیرونی حملہ ہوگا تو اپنے سربراہ حکومت کے طلب کرنے پر اس کے دفاع میں جہاد بھی جہاد فی سبیل اللہ ہوگا' (3) تیسری اور آخری شکل اس ملک میں جہاں ہم رہتے ہیں' خالص اسلامی نظام کے قیام کے لئے جہاد اور قتال بھی فی سبیل اللہ شمار ہوگا۔ بشرطیکہ ایک امیر کی قیادت میں ایک جماعت کی حیثیت سے کیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہر جہاد لازماً قتال نہیں ہوتا' جبکہ ہمارے ہاں اکثر جہاد کو قتال' یعنی جنگ کے معنوں میں لے لیا جاتا ہے۔ اسی طرح مسلمان جو بھی جنگ کریں وہ لازماً جہاد یا قتال فی سبیل اللہ نہیں ہوتا۔ مثلاً محض اپنی سرحدوں کو وسعت دینے یا اپنی حکمرانی قائم کرنے کے لئے جنگ کرنا جہاد فی سبیل اللہ شمار نہیں ہوگا خواہ وہ جنگ مسلمان ہی کیوں نہ کر رہے ہوں۔

(سردار اعوان' معتمد ذاتی صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور)


## تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام

ان شاء اللہ العزیز

## 10' 11' 12 فروری 2005ء روزانہ 7 بجے شب

الحمراء ہال نمبر 1 (شاہراہ قائد اعظم لاہور) میں

# ڈاکٹر اسرار احمد داعی تحریک خلافت

## ''خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام''

کے موضوع پر مفصل خطاب فرمائیں گے

(خواتین کے لئے علیحدہ نشستوں کا اہتمام ہو گا)

المعلن: عبد الرزاق' ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان

## امیر تنظیم اور ناظم اعلیٰ کا دورہ کھاریاں

برادرم سہیل شہزاد جو کہ ناروے کے ساتھی ہیں پاکستان چھٹی پر مدنی مسجد نیک عالم مارکیٹ میں چند دنوں سے منہج انقلاب نبوی بیان کر رہے تھے۔ ناظم حلقہ گوجرانوالہ سے ملاقات کے بعد طے پایا کہ امیر تنظیم کا خصوصی درس اور حلقہ احباب سے ملاقات کروائی جائے۔ لہٰذا یہ پروگرام بفضل خدا 8 جنوری کو منعقد ہوا۔

امیر تنظیم محترم حافظ سعید اور ناظم اعلیٰ محترم اظہر بختیار خلجی صاحب 8 جنوری کو کھاریاں تشریف لائے۔ پہلی نشست میں چند احباب کے علاوہ نئے شامل ہونے والے رفقاء بھی موجود تھے۔ باہمی تعارف کے بعد امیر تنظیم نے تنظیم اسلامی کی فکر اور چند دوسرے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد تقریباً 8 رفقاء نے بیعت مسنونہ کی اور غلبۂ دین کی جدوجہد میں شریک ہوئے۔ نماز مغرب کے بعد مختصر سا کھانا ہوا۔

بعد نماز عشاء امیر تنظیم سنگم ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں موضوع (موجودہ حالات میں مسلمانان پاکستان کے لئے قرآن کی روشنی میں لائحہ عمل پر خطاب تھا) پروگرام کا آغاز باقاعدہ تلاوت قرآن سے ہوا۔ قرآن پاک کی تلاوت کی سعادت گجرات مرکز کی مسجد کے امام محترم حافظ بلال صاحب نے حاصل کی۔ بھائی سہیل شہزاد کمپیرنگ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس کے بعد ناظم حلقہ شاہد رضا نے مختصر الفاظ میں تنظیم اور امیر محترم کا تعارف کروایا۔ اور یوں امیر تنظیم کو خطاب کی دعوت دی۔

امیر تنظیم نے غلبۂ دین کے لحاظ سے اور خاص کر مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کے چند مقامات سے آیات تلاوت فرمائیں۔ آپ نے سب سے پہلے دنیا کے حالات کا ایک مختصر سا جائزہ لیا۔ امریکی استعمار کا طرز عمل، مسلمانوں کی زبوں حالی اور خاص کر فلسطین، افغانستان اور عراق کے پے در پے حالات کو کھول کھول کر بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تقریباً 57 مسلمان ملک ہیں اور اللہ نے بے پناہ وسائل دیئے ہیں مگر پھر بھی مسلمان ذلیل ہیں۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کے بعض احکامات جو کہ آسان ہے ان کو اختیار کیا ہے اور اکثر اجتماعی زندگی کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ لہٰذا اس منافقانہ طرز عمل کی وجہ سے ہم دنیا میں ذلیل و خوار ہیں اور اللہ نہ کرے کہ اخروی عذاب بھی ہمارا مقدر ہو۔ دوسرے یہ کہ تمام دنیا میں کوئی بھی اسلامی ملک نہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اس سیکولر طرز عمل کو بدلے اور پاکستان میں جو کہ اسلام کے نام پر حاصل کیا۔ اس میں عدل اجتماعی والا نظامِ حیات یعنی دین اسلام غالب کر کے دنیا کو دکھائیں۔ پھر اللہ یہ عذاب کے سائے ہم سے ہٹائے گا اور وہی نظام خلافت والی قوت باطل نظام کا بھیجہ نکالے گی بفضل خدا۔

درس کے بعد تنظیمی فکر کے حوالے سے لٹریچر تقسیم کیا گیا اور مہمانوں کی چائے سے تواضع کی گئی۔ اس پروگرام میں 200 کے قریب مرد اور 35 عورتیں شامل تھیں۔

(رپورٹ: ناظم حلقہ شاہد رضا، گوجرانوالہ)

## تنظیم اسلامی پنڈی گھیپ کا دو روزہ تربیتی پروگرام

امیر حلقہ پنجاب شمالی جناب خالد محمود عباسی کے طے کردہ شیڈول برائے سال 2004ء ماہانہ دو روزہ جات کا آخری پروگرام مورخہ 25، 26 دسمبر 2004ء کو پنڈی گھیپ میں ہوا۔ اس پروگرام میں حلقے کی مختلف تنظیم سے 12 رفقاء نے شرکت کی۔ تنظیم اسلامی گوجر خان سے 7 رفقاء تشریف لائے جبکہ اس دو روزہ کے ناظم محترم ابرار صاحب ہیں جو کہ بارہ مہینے گشت پر رہتے ہیں اور ہر ماہ کسی نہ کسی تنظیم میں محفل سجاتے ہیں۔ اللہ سب منتظمین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

24 دسمبر 2004ء کو رات آٹھ بجے کے قریب تقریباً سب رفقاء پہنچ گئے تھے۔ مقامی امیر جناب عبدالرحمان نوید صاحب نے بلیھوڑہ چوک پر سب کو خوش آمدید کہا۔ بعد مسجد مصلیا نوالی میں طعام و رہائش کا انتظام تھا۔ مقامی ملتزم رفیق نے تنظیم اسلامی پنڈی گھیپ کا مختصر تعارف پہلی نشست میں کرایا۔ مقامی امیر کے تعاون سے دو دن کے پروگرام ترتیب دیئے۔ اس دو روزہ کے خاص خاص پروگرام درج ذیل ہیں۔

1۔ مسجد مصلیا نوالی، مسجد ملکاں، مسجد کانگے والی، مسجد حنیفہ (مولا)

مسجد اہل حدیث (ہترانی) میں تنظیم اسلامی کے بنیادی اساسی دعوتیں یعنی مذہب اور دین کا فرق، فرائض دینی کا جامع تصور، منہج انقلاب نبوی، بیعت دو مقامات پر بذریعہ وائٹ بورڈ اور دو مقامات پر بذریعہ بینرز پانچ مقررین نے سمجھائے۔ ان میں احباب کی تعداد 120 کے قریب رہی اور رفقاء کی تعداد 30 رہی۔

2۔ تجوید بھی پڑھائی گئی اور سورۃ النور کا آخری رکوع یاد کرایا گیا اور اس کی تجوید و تشریح سمجھائی گئی۔ اسی حوالے سے رخصت لینے، اجازت لینے ادینے کے طریقوں کو سمجھایا گیا۔

3۔ فرائض دینی کا جامع تصور پر مذاکرہ ہوا۔

4۔ آخر میں اس دو روزہ کو بہتر بنانے کے لئے تجاویز بھی پوچھی گئیں۔

5۔ مورخہ 26 دسمبر 2004ء کو ذاتی رابطہ مہم بھی ہوئی جس میں بہت سے افراد سے ملاقات ہوئی۔ اسی دعوت پر ایک حبیب جناب عامر شہزاد صاحب مہمان رفقاء کے پاس بعد میں آئے اور تھوڑی دیر خطاب بھی فرمایا۔ جس میں انہوں نے تسلیم کیا کہ واقعی دعوتیں تو بہت سی جماعتیں دے رہی ہیں لیکن دین کے جس وسیع تصور کو تنظیم سمجھانے کی کوشش کرتی ہے وہ کوئی اور جماعت نہیں دے سکی۔ لہٰذا اس میں کام کرنا نسبتاً بہتر اور مشکل ہے۔ میں بھی مناسب وقت پر اس میں شامل ہو جاؤں گا لیکن کسی خاص وجہ سے میں ابھی شامل نہیں ہونا چاہتا۔ عامر صاحب دو سال سے ندائے خلافت کے مستقل قاری ہیں اور تنظیم سے وہ اور ان کا ادارہ ہر ممکن تعاون کرتا رہتا ہے۔

ناظم اسرہ محترم اسرار احمد صاحب نے الوداعی خطاب میں فرمایا کہ "آج ہمارا امتحان ہے کہ کون خوش قسمت ہے جو حضورؐ کا ساتھی اور دین کو قائم کرنے میں مددگار ہے۔ اگر آج ہم نے ان کی نصرت نہ کی، جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ نہ لیا تو جان لو اپنے دین کی مدد کے لئے پھر اللہ کافی ہے۔ اللہ کو کسی کی حاجت و ضرورت نہیں ہے، وہ اکیلا ہی کافی ہے۔ مگر وہ تو اس راستے میں انسانوں کو نوازنا چاہتا ہے۔ جماعت کے امیر کے ساتھ ہمارا تعلق مامورین کا ہے۔ اجتماعی جدوجہد کرنے والوں کے آپس میں تعلقات انتہائی محبت اور الفت کے رشتوں پر استوار ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اپنے وقت کی قدر کریں، زندگی کا ایک ایک لمحہ آپ کے پاس امانت ہے۔ پیسے کا صحیح مصرف یقینی بنائیں اور اپنے رقم کو جہاد فی سبیل اللہ میں لگائیں۔ آرائش زندگی کم سے کم کریں۔ سادگی اپنائیں، اس سے آپ خود بھی سکون میں رہیں گے اور تبلیغی کاوشیں بھی ثمر آور ثابت ہوں گی۔

آخر میں امیر مقامی تنظیم نے سب کا اور خصوصاً عباسی صاحب اور اسرار صاحب کا شکریہ ادا کیا اور ان تمام احباب کا جو دور دراز سے تشریف لائے۔

عبدالرحمن صاحب جن کا شمار تنظیم اسلامی پنڈی گھیپ کے بانیوں میں ہوتا ہے وہ آج کل ایبٹ آباد میں مقیم ہیں وہ بھی دو روزہ میں شرکت کے لئے ایبٹ آباد سے تشریف لائے تھے۔

(محمد عارف معتمد، تنظیم اسلامی پنڈی گھیپ)

## دعائے مغفرت

1۔ تنظیم اسلامی گوجر خان کے ملتزم رفیق چوہدری محمد امین صاحب روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے ہیں۔

2۔ تنظیم اسلامی راولپنڈی شرقی کے امیر محمد قدیر عباسی صاحب کے والد وفات پا گئے ہیں۔

3۔ تنظیم اسلامی اسلام آباد جنوبی کے ملتزم رفیق رانا عبدالغفور صاحب کے سسر انتقال کر گئے ہیں۔

4۔ تنظیم اسلامی لاہور جنوبی کے نقیب اعلیٰ محمد عباس صاحب کے چچا وفات پا گئے ہیں۔

قارئین ندائے خلافت و رفقاء تنظیم سے مرحومین کے حق میں دعائے مغفرت اور لواحقین کے لئے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

اللھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتك وحاسبھم حساباً یسیراً

Congregation 'De Propaganda Fide' from Pope Pius V. It has been working to spread the Christian faith on the globe for the large interest of the world public. Geostrategically, the Congregation seem completely insignificant. No minister of foreign affairs took himself the time to speak with its representatives. But that was in the world from yesterday.

"Today ever more government agencies request its statistics from all over the world, which illustrate the exact propagation of Islam and Christianity. The Congregation is the only institution of the world, which actively delivers the conflict between the Christian and the Muslim religion. It does not examine the relationship between Muslims and Christian like a culture or an institution, but works practically with an army of more than one million co-workers to contain the propagation of Islam and the admiration for the war gentleman Mohammed. It wants to proselytize humans all over the world to peaceful Christianity, whose religious founder never took a weapon in his hands...." (Emphasis added)

The report adds that the above-mentioned argument is "delivered with military precision." The boss of these active missions, Cardinal Crescenzio Sepe, calls his co-workers "my troops." The numbers in this fight for the souls is quite impressive. The Congregation for evangelising people alone is responsible for 40 percent of the Christian world with an army of 85,000 priests and 450,000 medal people. It operates 42 000 schools, 1600 hospitals, 6000 first aid stations, 780 homes for leprosy patient and 12 000 social projects around the world.

Here we find the ultimate objective for the ongoing war. According to Welt am Sonntag's report, the objective remains to contain the "aggressive religion" of Islam and "spread the Christian faith." Here we see why the covert neo-cons on the other fronts of this war try to hide behind the façade of secularism and liberalism. They know that not everyone will jump on the bandwagon for war if they drive it in the name of crushing Islam and planting flags of Christian faith in every living heart.

For example, the number of people putting their trust in the seemingly neutral Bernard Lewis, New York Times or CNN is far greater than those putting their faith in the words of Daniel Pipes and the institutes behind him. In fact, both parties are equally pro-war and struggle in their respective ways towards the ultimate objective. Congregation proudly publishes figures of 62.3 percent Catholic population in the American continent and 39.9 percent in Europe. It values more than 3000 Muslim student in a Catholic Church school in Qatar with a total of 4000 students. In India, less than 2 per cent population is Catholic but the church finances more than 28 per cent of the social expenditures for free hospitals and institutes.

This strategy pays off. Wealthy Muslim parents in India offer "substantial partial sums, so that their children may go to a Christian school." Consequently, according to the report, "frequently whole families convert to Christianity." The system functions so successfully that the government in New Delhi intervened because it does not affect Muslims alone: "In numerous states of India the attempt at proselytizing are meanwhile forbidden, [and the government] threatens detentions."

This mission of Christianizing the world is not limited to the Vatican alone. Author and educator George Grant, [3]founder of Franklin Classical School in the US, was Executive Director of Coral Ridge Ministries [4] for many years. He explains in The Changing of the Guard, Biblical Principles for Political Action:

Christians have an obligation, a mandate, a commission, a holy responsibility to reclaim the land for Jesus Christ — to have dominion in civil structures, just as in every other aspect of life and godliness. But it is dominion we are after. Not just a voice. It is dominion we are after. Not just influence. It is dominion we are after. Not just equal time. It is dominion we are after. World conquest. That's what Christ has commissioned us to accomplish. We must win the world with the power of the Gospel. And we must never settle for anything less... Thus, Christian politics has as its primary intent the conquest of the land — of men, families, institutions, bureaucracies, courts, and governments for the Kingdom of Christ. (pp. 50-51)."

## Abid Jan book to print in Chinese

Plus Report

Tidetime, a well-established Chinese publishing house has made a contract with Pakistani writer Abid Ullah Jan to translate and print his book, titled *The End of Democracy*. A graduate of London University and a Scientist as well as Environmental Management Specialist by profession, Abid Ullah Jan has been writing political columns for *The Nation*. His book, *The End of Democracy* is an expose on the human rights violation, injustices and atrocities committed by the colonial West in the name of Democracy.

Courtesy: The Nation 08 January 2005

## اطلاعات

گذشتہ دنوں مرکزی عاملہ کے اجلاس میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب نے دو مقامی تنظیموں کے لئے نئے مقامی امیر مقرر کیے۔

(i) صادق آباد کی تنظیم کے سابق امیر حافظ خالد شفیع صاحب کو حلقہ بالائی سندھ میں ناظم تربیت مقرر کیا گیا ہے جبکہ صادق آباد کی تنظیم کے نئے مقامی امیر جناب سجاد منصور صاحب ہوں گے۔

(ii) کراچی شرقی کی تنظیم کے سابق امیر وسیم احمد صاحب نے ذاتی مصروفیات کی بناء پر معذرت کی تھی۔ ان کی جگہ جناب محبوب سبحانی صاحب کو مقامی امیر مقرر کیا گیا ہے۔

(iii) 29 جنوری بروز ہفتہ بعد نماز عشاء مسجد تقویٰ' جلال پور جٹاں روڈ گجرات میں مولانا غلام اللہ حقانی' ناظم دعوت حلقہ سرحد شمالی ''دور جدید کا علمی چیلنج اور اس کا حل'' کے موضوع پر خطاب فرمائیں گے۔

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No. 3

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

**Abid Ullah Jan**
(e-mail: abidjan@tanzeem.org)

# An overview of the religious front - I

It does not tax our minds to realize that the US could not just decide, get up and go to occupy Afghanistan and Iraq in a matter of days.

However, it strains us to comprehend the scope of time, resources, planning and human effort put into materializing such barbaric adventures. Harder still is determining the motives of the barbarians of our age.

The easy-to-reach conclusion is that wars and foreign policies in the modern era are greatly influenced by the desire of industrial nations to procure and protect natural resources. That's why the foreign policy of the United States is also driven in large part by the need for oil, not merely for internal consumption, but for sale by multi-national conglomerates to emerging markets in South Asia and the far East.

Others conclude that the horror of 9/11 has forced the US into such extremism. However, the genocidal sanctions that took far more Iraqi lives than the war so far predate 9/11. Furthermore, it is known to everyone that Iraq had absolutely nothing to do with 9/11. All other ruses for this occupation also have now proved to be flat-out lies as well.

Everyone who loves peace on this earth earnestly hopes that this is a war for oil but reports that emerged from left and right suggest otherwise. These reports create doubts about the actual motives behind the ongoing brutal war.

Title cover of Trumpet magazine (Dec. 2004) by the Philadelphia Church of God, for instance suggest that compilation and nice presentations on the information about oil industry is not the whole answer. [1] Oil is not the goal. It is the booty, the by-product, which keeps the war going.

To understand the super goal of the war lords, we would have to go beyond the visible fronts of this war, which are the political, media, academia and military fronts. We need to study the vital, not so visible front that is hidden behind all these fronts and leave it to all of us to decide if the war, the concentration camps and other crimes against humanity are just for oil.

We need to see if it is the religious front that sustains life of the visible fronts by providing them inspiration and fresh soldiers all the while, and if it works as a compass and sets the final goal for global domination.

We need to see if it is not that just like the religious front's basic policy principle of staying behind the scene, most of the war-lords and the institutions that belong to the visible fronts try their best to conceal their affiliations with the religious front. They hide behind the façade of mock neutrality, liberalism and secularism.

Before reviewing the religious front in detail, we need to have a look at the examples of apparently non-religious, liberal fronts of this war — the fronts that we all know very well were behind the official lies for invasion and occupation, and still don't see any other way than sending more and more military troops.

On the Political front, John Kerry and John Edward are the prime examples. They are as much pro-war as is Bush and his company. So was Clinton, who sustained genocidal sanctions throughout his presidency that took at least 1.8 million innocent lives. Bush's butchery has yet to reach that mark of mostly invisible genocide.

Regardless of the party titles and minor differences in approach, almost everyone on the political front agrees over the ultimate purpose of this war.

On the media front, ABC, CNN, NBC, etc. are as much for the global domination as Fox News. The New York Times, Washington Post and LA Times are as radical in proposing solutions as the Washington Times. Friedman and Safire are as radical as Daniel Pipes.

The only difference is that the former institutions and individuals are not as straight forward as the overt radicals, which is part of their strategy to stab from behind. Their neutral tone doesn't mean they are not part of the over all alliance, working towards a common goal: undermine Islam as a way of life.

On the academic front, the seemingly neutral Bernard Lewis and Huntington are as much for the clash with Islam as any of the die-hard neocons. In fact, these are the people who helped the political front shape present policies after exerting years of influence in close collaboration with media.

Anyone from the religious front would not have been able to generate as much Islamophobia as the warriors on the academic front have done in the garb of neutrality.

The not-so-visible Front

The invisible front of the ever intensifying barbarism seems to be the religious front: the lifeblood of the aforementioned fronts in the war for global cultural, social and economic domination.

We cannot assume anything. However, it would be an injustice to humanity if we do not analyze reports such as the one that appeared in the German newspaper Welt am Sonntag (May 30, 2004) under the title: "Millionen gegen Mohammed" i.e., "Millions against Mohammed."[2] The by-line reads: "Der Vatikan will weltweit die Ausbreitung des Islam stoppen," which means: "The Vatican wants to stop the world-wide propagation of Islam."

That is the overall goal. The rest that we hear, such as eradicating fundamentalism, radicalism, political Islam, and Islamism are plain ruses, used as tools to achieve the overall goal.

Of course, they want to stop the propagation of Islam, but they cannot stand up and declare: No Islam from now onwards. They need to follow some strategic course and use specific tools to gradually demonize Islam as a religion, divide its followers and prove it as an aggressive, violent ideology that has no place in a "civilized" world.

Modus operandi of the not-so-visible front

Let us see how the not-so-visible religious front of this war is working towards the overall goal or ultimate objective.

Again we are not assuming anything. The report in Welt am Sonntag talks about one of the most unknown organizations of the Catholic Church establish for the above-mentioned purpose. According to translation of the report: "The 'Congregatio per Gentium Evangelisierung,' the Congregation for Evangelizing the people came out between 1566 and 1572 from the